سیرت نبوی میں
رحم وکرم کے تابندہ نقوش
محمد ساجد رضا مصباحی

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰۷﴾

سیرت نبوی میں

ناشر
مکتبہ صمدیہ جامع مسجد پھپھوند شریف

کتاب: سیرت نبوی میں رحم وکرم کے تابندہ نقوش
مصنف: محمد ساجد رضا مصباحی
صفحات: 232
تعداد: 1100
اشاعتِ اوّل: جمادی الاولی ۱۴۳۷ھ/مارچ ۲۰۱۶ء
قیمت: 160
زیر اہتمام: مخدوم گرامی وقار حضرت مولانا سید **محمد مظفر چشتی** دام ظلہ العالی
آستانہ عالیہ صمدیہ مصباحیہ پھپھوند شریف ضلع اوریا یوپی

ملنے کے پتے:

(۱)-خواجہ بک ڈپو، مٹیا محل، جامع مسجد دہلی ۶
(۲)-المجمع الاسلامی ملت نگر مبارک پور، اعظم گڑھ یوپی
(۳)- دارالعلوم محمود الاسلام، پربھاس پاٹن ضلع گیر سومناتھ گجرات

Seerat e Nabwi Main Rahm o Karam k Tabinda Noqoosh
By: Md Sajid Raza Misbahi
Contact: 9473927746/9258373739
E_mail: sajid.misbahi@gmail.com

PUBLISHER:
Maktaba Samadia Jama Masjid
Phaphund Sharif Auraiyya UP
Contact: 9719872617/9997364568
E_mail. maktabasamadia@gmail.com

فہرست مضامین

مختلف موضوعات پر پچاس مضامین کا شاہ کار مجموعہ
قلمی رشحات
نگارشات: مولانا محمد ساجد رضا مصباحی
جو نوع بنوع مضامین کا حسین گل دستہ ہے۔
عصری اسلوب میں اسلامی افکار ونظریات کی اعلیٰ پیش کش ہے۔
خاص طور سے طلبہ مدارس اسلامیہ کے لیے ایک گراں قدر تحفہ ہے۔
جس کے مطالعہ سے مختلف موضوعات پر مضمون نویسی اور مقالہ نگاری کا ذوق پیدا ہوگا۔
رابطہ کریں: مکتبہ صمدیہ جامع مسجد پھپھوند شریف ضلع اوریا یوپی

انتساب

والدین کریمین
کے نام

اگر سیاہ دلم، داغِ لالہ زارِ توام
وگر کشادہ جبینم، گلِ بہارِ توام

تقریظ

جامعِ معقول ومنقول حضرت علامہ مفتی محمد انفاس الحسن چشتی دام ظلہ الاقدس
شیخ الحدیث وصدر المدرسین جامعہ صمدیہ دارالخیر پھپھوند شریف

محسن انسانیت، پیغمبر اعظم ﷺ کی حیات پاک کا ہر ہر گوشہ انسانوں کی ہدایت کا باعث اور اقوام عالم کے لیے نمونہ عمل ہے۔ آپ کے نقوش حیات کا مطالعہ لاکھوں، کروروں گم گشتگانِ راہ کے لیے حق آشنائی اور وصول الی اللہ کا ذریعہ ہوتا ہے۔ سیرت کے موضوع پر مختلف زبانوں میں ہزاروں کتابیں لکھی جاچکی ہیں اور یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے، اسی سلسلے کو برقرار رکھتے ہوئے ہمارے جامعہ صمدیہ کے موقر استاذ حضرت مولانا مفتی محمد ساجد رضا صاحب مصباحی نے ایک اہم کتاب "سیرت نبوی میں رحم وکرم کے تابندہ نقوش" کے نام سے ترتیب دی ہے۔ موصوف نے اپنی اس تصنیف میں آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کے حوالوں کی روشنی میں سرکار اقدس ﷺ کے اخلاق حسنہ اور آپ کی شفقت ورحمت پر سیر حاصل گفتگو کی ہے، موصوف کا اسلوب بڑا پیارا اور انداز تحریر شگفتہ ہے۔ اللہ کرے زور قلم اور زیادہ۔

آج ہمارے معاشرے میں جس قدر اخلاقی بحران اور نفسا نفسی کی کیفیت پیدا ہوگئی ہے اس کی وجہ سنت نبوی سے دوری اور اپنے نبی کی تعلیمات سے بے توجہی ہے، ہم میں سے ہر شخص اپنی دنیا میں مست اور اپنی ہی ذات میں مگن ہے، ہمیں اپنے مفادات بہت عزیز ہیں، اپنے نفع ونقصان کا بڑا خیال ہے، لیکن اپنے ارد گرد کے لوگوں کی کوئی فکر نہیں، معاشرے میں بے چارگی کی زندگی گزارنے والے، بھوک وپیاس کی شدت برداشت کرنے والے غریبوں، فقیروں اور محتاجوں کی خبر گیری کرنے والا کوئی نہیں، ہمارا معاشرہ اس قدر مصروف ہو چکا ہے کہ اب نہ تو اپنوں کی مزاج پرسی کی مہلت ہے اور غیروں سے پرشش احوال کا وقت۔

نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ ہم سے تقاضہ کرتی ہے کہ ہم اپنے احباب، اپنے سماج کے افراد اور معاشرے دیگر انسانوں کے ساتھ شفقت ومحبت کا برتاؤ کریں، محتاجوں کی امداد واعانت کریں، بیماروں کی عیادت کریں، مصیبت زدوں کے ساتھ شفقت کے ساتھ پیش

آئیں، رشتے داروں کے ساتھ صلہ رحمی کریں۔ ہمیں اس حوالے سے اپنے آقا و مولیٰ ﷺ کی حیات پاک کے مختلف گوشوں کا مطالعہ کرکے اسے اپنے لیے نمونہ عمل بنانا چاہیے۔

میں اس کتاب کی تصنیف واشاعت پر مولانا موصوف کو دل کی گہرائیوں سے مبارک باد پیش کرتے ہوئے دعا گو ہوں کہ ان کی یہ کتاب دیگر کتابوں کی طرح مقبول عام وخاص ہو، اور اللہ جل شانہ ان کی اس خدمت کو شرف قبولیت سے نوازے نیز خالصا لوجہ اللہ علمی ودینی خدمات کی توفیق عطا فرمائے، آمین بجاہ حبیبہ سید المرسلین وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ وصحبہ اجمعین۔

محمد انفاس الحسن چشتی غفرلہ
خادم الطلبہ جامعہ صمدیہ دارالخیر پھپھوند شریف

۱۱/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ
۲۱/ فروری ۲۰۱۶ء یک شنبہ

تقریظ

حضرت علامہ مولانا شکیل انور مصباحی دام ظلہ العالی

استاذ دارالعلوم محمود الاسلام پربھاس پاٹن ضلع گیر سومناتھ گجرات

حامدا ومصلیا ومسلما

حمد بے حساب اس رب لم یزل کا جس نے امت محمدیہ میں کچھ ایسے افراد کو پیدا کیا جن کے قلوب واذہان میں مذہب اسلام کی ترویج واشاعت کا درد اور اس کے فروغ وارتقا کا جذبہ موجزن رہتا ہے، جو ہمہ وقت احکامات الہیہ کو بندوں تک پہنچانے کے لیے کوشاں رہتے ہیں ،جہد مسلسل اور سعی پیہم جن کا شیوہ ہوتا ہے جو ہر گام پر دین کی سرخروئی کے لیے اپنی توانائیاں صرف کرتے نظر آتے ہیں، ان ہی جواں عزم اور باحوصلہ افراد میں عزیز گرامی مولانا مفتی محمد ساجد رضا مصباحی سلمہ بھی ہیں جو جید عالم دین ہونے کے ساتھ عمدہ قلم کار بھی ہیں۔ عزیز گرامی ہندوستان کے نوجوان قلم کاروں میں سرفہرست ہیں، جن کی تحریریں اعتماد واعتبار کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں اور دل چسپی کے ساتھ پڑھی جاتی ہیں۔

برادر زادہ مولانا مفتی محمد ساجد رضا مصباحی سلمہ اپنے والد کے سب سے بڑے صاحب زادے ہیں، اس لیے ان کی پرورش بڑے لاڈ و پیار اور ناز ونعم میں ہوئی، ابتدائی تعلیم کے زمانے ہی میں ان کی ذہانت وفطانت سے سب لوگ متاثر تھے۔ میں نے ان کا بچپن دیکھا اور اب جوانی دیکھ رہا ہوں، ان کی زندگی کا کوئی گوشہ میری نگاہوں سے اوجھل نہیں ہے۔ وہ شروع ہی سے محنتی اور شریف طبیعت اور سادہ لوح واقع ہوئے ہیں۔ جامعہ اشرفیہ مبارک پور میں ایک طویل عرصہ تک محنت ومشقت کے بعد ان کی علمی وفقہی بصیرت نمایاں ہوگئی ہے۔ مضمون نگاری سے ان کی دل چسپی زمانہ طالب علمی ہی سے رہی ہے، دوران تعلیم ہی ان کے مضامین ملک کے موقر رسالوں کی زینت ہوا کرتے تھے، درس وتدریس اور دیگر علمی مصروفیات کے باوجود یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے، میں ان کے نیک کارناموں اور دینی خدمات سے بہت خوش

ہوں، میری نیک خواہشات ان کے ساتھ ہیں۔

"سیرت نبوی میں رحم وکرم کے تابندہ نقوش" عزیز گرامی مفتی محمد ساجد رضا مصباحی سلمہ کی تازہ تصنیف ہے، جس میں مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کے اوصاف رحم وکرم کو بڑے عمدہ پیرائے میں احادیث نبویہ کی روشنی میں پیش کیا گیا ہے۔ سیرت کے موضوع پر یہ ایک بیش بہا تصنیف ہے اور اس اعتبار سے بھی خاص اہمیت کی حامل ہے کہ سیرت کی اردو کتابوں میں اس نہج کی کوئی قابل ذکر کتاب اب تک منظر عام پر نہیں آسکی ہے۔

موصوف نے اپنی اس کتاب میں مختلف زاویے سے رحمت عالم ﷺ کی شفقت ورحمت کو اجاگر کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے، انداز گفتگو غیر مبہم اور نہایت سلیس اور شگفتہ ہے، ہر باب میں احادیث کا ایک ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے اور حوالوں کے اہتمام کی وجہ سے کتاب کے اعتبار واعتماد میں مزید اضافہ ہو گیا ہے۔

اس سے قبل عزیز گرامی کی دو اہم کتابیں، "قلمی رشحات" اور "عہد نبوی میں غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ" مقبول عام وخاص ہو چکی ہیں۔ میں صمیم قلب سے اس عظیم کارنامے پر مبارک بادی پیش کرتا ہوں اور دعا گو ہوں کہ رب کریم اپنے حبیب لبیب ﷺ کے صدقہ وطفیل موصوف کو مزید علمی وتحقیقی خدمات کی توفیق عطا فرمائے، امین بجاہ حبیبہ سید المرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

محمد شکیل انور مصباحی (ایم اے)
خادم دار العلوم محمود الاسلام پربھاس پاٹن
ضلع گیر سومناتھ گجرات

۸/ جمادی الاولی ۱۴۳۷ھ
۱۸/ فروری ۲۰۱۶ء پنج شنبہ

تقدیم

ادیب شہیر امیر القلم حضرت علامہ مقبول احمد سالکؔ مصباحی
بانی جامعہ قطب الدین بختیار کاکی نئی دہلی

کارلائل کا مشہور جملہ ہے " تاریخ مشہور لوگوں کی سوانح عمری کا نام ہے " اگر اس مشہورِ عالم مفکر کے اس جملے کو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ تاریخ انسانی نبی امی، سلطان بطحا، فخر رسولاں، شب اسریٰ کے دولہا، مصطفیٰ جان رحمت، منبع جود وکرم، بحر فیض وعطا، عکس جمال الٰہی، مظہر جلال قدوسی، مہبط الانوار، تلمیذ الرحمن شہنشاہِ رحم وکرم کے تذکرے کے بغیر نامکمل رہے گی، کیوں کہ آپ تاریخ انسانی کے سب سے مشہور ومعظم، محبوب ومکرم، جامع الصفات، رفیع الدرجات،، ہمہ جہت، ہمہ گیر، تاریخ ساز، عہد آفریں اور سب سے کامل ومکمل سوانح وسیرت کے مالک ہیں، آپ کے تذکرے کے بغیر آفاق عالم کا ہر دفتر ادھورا رہے گا۔ زمین وزماں میں وہی سب سے مشہور ومذکور ہوئے، انہیں کا ذکر ہر گام پر معروف ومشہور ہے، وہ نہیں توکچھ نہیں، وہ ہیں تو سب کچھ ہیں، عرش وکرسی اور لوح وقلم انہیں کے قدمِ ناز کا صدقہ واتارا ہے، ان کا ذکر باغ عالم کی رونق اور دلوں کا چین ہے، وہ ایسے رفیع الذکر ہیں کہ ان کی آمد سے قبل ہی ان کا چرچا ہوا کہ بہتوں کے جانے کے بعد بھی اتنے چرچے نہیں ہوئے ——— سوا لاکھ انبیاء آپ کے گن گان گائیں، سارے آسمانی صحیفے انھیں کی مدح وثنا کی تفصیل بتائیں، جب وہ آئے تو کائنات کا ذرّہ ذرّہ ان کے ذکر سے مہکا، ہر کہ ومہ نے ان کے جود وعطا کا مالا جپا، اور جب تک وہ اپنے وجود ظاہری کے ساتھ اس خاکدان گیتی پر جلوہ گر رہے، وہی مرکز نظر رہے، ہر کرن میں انھیں کی روشنی، ہر خوشبو میں انھیں کا پسینہ شامل، ان کی ذات مقناطیسی صفات، ہر ذرّہ اور ہر خشک وتر انھیں کی طرف لپکے، چاند وسورج انھیں کے چرنوں میں نذرانے گزرانیں، بے زبان حیوانات ووحوش انھیں کے بذل وعطا کے قصیدے پڑھیں، سارے چرند وپرند، اور حشرات ودرند انھیں سے رحم وکرم کی بھیک مانگیں، وہ ایسے کریم کہ ہر کس وناکس کو عطا کردیں، حاشا وکلا جو کبھی کسی پہ جفا کریں، ایسے منصف کہ سب قریب وبعید کو یک نگاہی سے دیکھیں، کوئی سائل کبھی خالی ہاتھ نہ

جائے، دور ونزدیک یکساں پائیں، اتنا پائیں کہ پھر کہیں نہ جائیں، جو جتنا دور ہے وہ ان سے اتنا قریب ہے، سب کی فریادیں ان تک پہنچیں، زبان سے کوئی بولے یا نہ بولے، وہ ایسے رفیق وشفیق ہیں کہ دلوں کے حال جانتے ہیں، چہرہ دیکھ کر ہی ضرورت جان جاتے ہیں، کس کے دل میں کیا ہے وہ بارگاہ میں حاضر ہونے سے پہلے ہی پڑھ لیتے ہیں، جن وانس، مور ومگس، زبان والے اور بے زبان، سب اس کے در کے فریادی ہیں، وہ سب کا درد جانیں اور سب کے لیے بیکل ہوں، سب کا غم، ان کا غم، سب کا درد، ان کا درد، سب کی بیتی، ان کی بیتی، سب کی کسک، ان کی کسک، وہ ایسے ہم درد وغم گسار کہ روئے کوئی درد ہوئے اسے ——— دنیا میں رونے والے بہت روئے، مگر جیسا وہ رویا کوئی نہ رویا، کوئی اپنے لیے رویا، کوئی اپنی اولاد اور احباب کے لیے رویا، پر وہ رویا تو سب کے لیے رویا، رات رات بھر رویا، اور خوب خوب رویا، آبادیوں میں رویا، بستیوں میں رویا، صحراؤں اور بیابانوں میں رویا، رزم وبزم میں رویا، جلوت وخلوت میں رویا، وہ جہاں اور جس حال میں رہا اپنوں اور غیروں سب کے غم میں رویا، اپنوں اور غیروں سب کے لیے رویا، وہ رویا تو اپنوں نے بھی دیکھا اور غیروں نے بھی دیکھا، زبان والوں نے بھی دیکھا اور بے زبانوں نے بھی دیکھا، اس کو دیکھ کر سب روئے، لوگوں نے اسے ہر گام پر روتے ہوئے دیکھا، اندھیروں میں دیکھا، اجالوں میں دیکھا، قیام میں دیکھا، قعود میں دیکھا، رکوع میں دیکھا، سجود میں دیکھا، وہ رویا تو ہمیشہ، مگر مسکرایا کبھی کبھی، وہ روتا تو ساری کائنات روتی، مسکراتا تو سارا جہاں تبسم کناں ہوتا، ان کی مسکراہٹ پر ہمارے ماں باپ قربان، ہاں ہاں وہ رویا اور اپنے آنسوؤں سے سمندروں اور ندی نالوں کو شرمندہ کر دیا، مگر کیا کسی نے پوچھا کہ وہ کیوں رویا ہے، وہ ہمارے ہی غم میں رویا، ہمارے اور آپ کے لیے رویا، اِن کے اور اُن کے لیے رویا، وہ رویا ضرور مگر اپنے لیے نہیں، فداك وامی وابی یارسول اللہ ﷺ! آپ جب بھی روئے دوسروں کے لیے روئے، جب بھی آنسو نکلے غیروں کے لیے نکلے، آپ کی ہر مسکراہٹ اور ہر آنسو، بنی نوع انسان کی فلاح وبہبود کے لیے رہی، وہ ایسا رونے والا تھا کہ اگلوں کے لیے بھی رویا اور پچھلوں کے لیے بھی، گناہ گاروں کے لیے، کمزوروں اور بے سہاروں کے لیے رویا، اپنی بھولی بھالی امت کے لیے رویا، اپنے زمانے والوں کے لیے رویا اور قیامت تک آنے

والوں کے لیے رویا،اسے صرف اپنے زمانے والے محبوب نہ تھے بلکہ اسے سب محبوب تھے ،کتابوں میں لکھا ہے، صحیفوں میں چھپا ہے، صحابہ کا مجمع لگا ہوا ہے، سب جاں نچھاور کر رہے ہیں، مگر وہ رو رہا ہے، گریہ کناں ہے، صحابہ سراپا سوال ہیں، ہم غلامان بارگاہِ عالی کے حاضر باش ہیں، رونے کی کیا وجہ ہے ؟ ارشاد عالی ہوتا ہے میں ان عاشقوں اور چاہنے والوں کو یاد کر رہا ہوں جو میرے بعد آنے والے ہیں، جو مجھے اپنی چشم ظاہر سے نہ دیکھیں گے مگر مجھے دیکھنے کے لیے روئیں گے ،وہ تمنائی ہوں گے کہ کاش میری ساری کائنات کوئی لے لیتا، میرا سارا مال و منال قبول کر لیتا ۔اور اس جان جاناں کے تلووں کی ایک جھلک دکھلا دیتا، وہ مجھے نہیں دیکھے ہوں گے ،مگر میرے نام پر سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہوں گے ——— ایسے نادیدہ عاشقوں کو کون یاد کرتا ہے ؟کون چاہتا ہے ؟ان کے لیے کون روتا ہے ؟ہاں وہی جو سب کے لیے پیدا ہوا ہے، جو سب کے لیے رحمت بن کر آیا، اپنے زمانے والوں کے لیے ،اپنے بعد آنے والوں کے لیے ،ہاں وہی رحمت دوجہاں ہیں، ہاں وہی انیس الغریبین ہیں، رحمۃ للعالمین ہیں، شفیع المذنبین ہیں، انھیں طٰہ ویٰسین کہیے، وہی شافع ہر دوسرا ہیں اور راحت انس وجاں ہیں ،انھیں راحۃ العاشقین کہیے، وہی گنہ گاروں کو سینے سے لگانے والے ہیں، اور گرتوں کو اٹھانے والے ہیں، انھیں کمزوروں اور ناتوانوں کا چارہ گر کہیے، وہ یہاں بھی کام آئے اور وہاں بھی کام آئیں گے ،انھیں شافع محشر کہیے ،دنیا کا قائد ولیڈر صرف دنیا کا ٹھیکہ لیتا ہے یہ تو وہ محبوب رب العالمین ہیں جو قبر سے لے کر حشر تک، حشر سے لے کر میزانِ عمل تک، میزان عمل سے لے کر حوض کوثر تک، حوض کوثر سے لے کر پل صراط تک، پل صراط سے لے کر دخول جنت تک کام آنے والے ہیں، ان کا جتنا ذکر کیجیے کم ہے، ان کو جتنا یاد کیجیے ناکافی ہے، ان کے لیے جو کچھ بھی تجیے کم ہے، ایک جان نہیں ہزاروں جانیں ہیچ ہیں، ایک جہاں کیا سارے جہاں بھی ان کے میزان عظمت وشوکت میں رائی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے، اگلوں اور پچھلوں نے جتنا ذکر ان کا کیا اتنا کسی اور کا نہیں، ان کے یوم ولادت سے لے کر آج تک جتنے قلم ان پر چلے کسی اور پر نہیں، جتنی روشنائی ان کی مدح سرائی میں خرچ ہوئی کسی اور کے نہیں، کاغذوں نے اپنے سینوں پر ان کی مدح وثنا کے جتنے الفاظ سجائے کسی اور کے نہیں، سچ

ہے کہ اگر روئے زمین کے سارے سمندر روشنائی بن جائیں اور سارے درخت قلم ہوجائیں، اور اس نبی امی کی توصیف وثنا کریں تو سمندر سوکھ جائیں، قلم ٹوٹ جائیں، مگر ان کی ثناخوانی کا پہلا باب بھی مکمل نہ ہو ــــــــ سیرت نبوی کا موضوع تاریخ کے ہر دور میں فکر وقلم کے شناوروں کے لیے مرغوب ومحبوب رہا ہے، کیوں کہ یہ ان کے ہی محبوب کی داستان فضل وکمال نہیں بلکہ ان کے محبوب کے صانع وخلاق کی مشیت وچاہت کا بھی مرکز ومحور رہا ہے۔ سیرت نبوی پر لکھنے والوں نے ہر دور میں لکھا، ہر زبان میں لکھا، ہر زمان میں لکھا، مگر کسی کو یہ ادعا نہ ہوا کہ اس نے لکھنے کا حق ادا کر دیا، سب نے یہی کہا:

لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

مرزا غالب کی زبان دانی اور قادر الکلامی، پُر گوئی اور زور بیانی سخن وروں میں مسلم ہے، مگر جب بات خواجہ عربی کی آئی تو یہ کہہ کر انہوں نے جاں بخشی کرالی:

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است

امام احمد رضا خاں قادری نعت گوئی کے امام اور میدان عشق کے سرخیل مانے جاتے ہیں، ان کا نعتیہ دیوان گویا عشق رسول کا شمع دان ہے، جب وہ اپنے محبوب کے کاکل ور خسار اور سراپاے قدس کی مرقع نگاری پر آئے تو بولے:

لیکن رضاؔ نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

یہ ان کا حال ہے جس کی آنکھیں ان کے حسن مجسم کی مرئی زیارتوں سے محروم رہی، اب ان کی بھی سنیے جن کی آنکھیں صبح وشام ان کے عارض منور کی تابشوں سے بصارت افروز رہا کرتی تھیں:

واحسن منك لم تر قط عینی

واجمل منك لم تلد النساء

اپنوں کی اپنے تعریف کرتے ہیں، مگر تعریف وہ جو غیر بھی کریں، جادووہ جو سر چڑھ کر بولے ،آمنہ کے لال کی تعریف جتنا ان کے غلاموں نے کیا ہے، اس سے کم ان کے دشمنوں نے نہیں کیا ہے، مستشرقین کی تصنیفات وتحقیقات اٹھا کر دیکھو، کوئی صفحہ فاران کی چوٹیوں کے شہسوار کے ذکر سے خالی نہ ملے گا۔۔۔۔۔۔۔ان کے ذکر وفکر کا یہ مبارک سلسلہ آج بھی جاری ہے اور یہ ہماری وجہ سے نہیں، ان کے مہربان خدا کے کرم کی وجہ سے ہے، اس نے ان کو ورفعنالک ذکرک کے مقام بلند سے سرفراز کیا ہے۔

ورفعنالک ذکرک کا ہے سایہ تجھ پر
ذکر اونچا ہے ترا بول ہے بالا تیرا

ان کے ذکر کو ان کے رب نے بلند کیا ہے تو پست کون کرے، جو پست کرنے آئے تو ایسی پستی میں گرے کہ آج تک اٹھ نہ سکے ، پتہ نہ چلا کہ وادی ویل کی کس کھاڑی میں گئے۔۔۔۔۔۔۔رسول عربی ﷺ کی سیرت نگاروں کی فہرست میں آج ایک اور نام کا اضافہ ہو گیا ہے، میں اس نام اور کام کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ہزار ہا ہزار مبارک بادیاں پیش کرتا ہوں، وہ نام میرے ایک عزیز ترین رفیق قلم کا ہے، جس نے کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ سعادتیں اپنے دامن میں سمیٹی ہیں ، وہ نام حضرت مولانا ساجد رضا مصباحی استاذ جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف کا ہے ، اور کام ہے " سیرت نبوی میں رحم وکرم کے تابندہ نقوش"۔ نام بھی اچھا ہے اور کام بھی بابرکت ہے، ہمت بلند ہے، قلم جواں ہے ، جو اپنے ضرب کاری سے پتھروں سے پانی نکال رہا ہے، پیشانی منور وسعادت مند ہے، جو اپنی سورج مکھی مسکراہٹوں سے صحراؤں میں پھول کھلا رہا ہے، قلم موصوف کا ہے، مگر فیضان حافظ ملت اور حافظ بخاری کی غیبی عنایتوں کا ہے، قلم ان کی انگلیوں میں چل رہا ہے ، رہنمائی خانقاہ صمدیہ مصباحیہ پھپھوند شریف کے گنبد ومینار میں آرام فرما مرد درویش کے روحانی تصرفات کر رہے ہیں۔ موصوف بڑے خوش قسمت ہیں کہ ایسی بافیض بارگاہ میں خدمت پر مامور ہیں، رسول پاک کے تذکرہ کی کتاب اولاد رسول کی جناب میں بیٹھ کر

لکھی جارہی ہے، بلاشبہہ

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

کتاب کیا ہے رحم وکرم، جودو نوال، عطاو سخا، فقر و غنا، کرم گستری، عدل پروری، رحم دلی، بندہ پروری، ذرہ نوازی، اور رقت قلبی، جان سوزی وجاں نوازی کی لازوال داستان ہے جس میں صفحہ صفحہ پر اس نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات درخشاں کے نورانی نقوش گل بوٹے کی طرح سجائے گئے ہیں۔ میں اپنے محدود مطالعہ کے مطابق اعتراف کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا کہ ابھی تک اردو زبان میں اس موضوع پر مستقل کوئی تصنیف میری نظر سے نہیں گزری۔

مجھے امید قوی ہے کہ یہ کتاب قبولیت کے سارے رکارڈ توڑ ڈالے گی اور ہاتھوں ہاتھ شرق سے غرب تک اور شمال سے جنوب تک ہر بزم محبت میں دھوم مچادے گی، یہ کتاب ادیبوں کے لیے مواد پیران عظام کے لیے بصیرت، خطیبوں کے لیے خزانہ اور عوام کے لیے مشعل راہ ثابت ہوگی۔ میں جامعہ صمدیہ کارپردازان اور خانقاہ صمدیہ کے سرکاروں کو اس کتاب کی اشاعت پر مبارک باد پیش کرتا ہوں اور اپنے نامراد جملوں کے ساتھ دعاگو ہوں کہ یہ کتاب مکتبہ صمدیہ کے علمی اور قلمی کارواں کو آگے بڑھانے میں سنگ میل ثابت ہو۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

یکے از غلامان حافظ بخاری
مقبول احمد سالک مصباحی
بانی جامعہ قطب الدین بختیار کاکی نئی دہلی
Salikmisbahi.92@gmail.com

۱۰ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ
۲۰ر فروری ۲۰۱۶ء شنبہ

عرض ناشر

آج سے چند سال قبل مکتبہ صمدیہ پھپھوند شریف نے جماعت اہلسنت کے مستند ومعتبر تصنیفات وتالیفات کی نشرواشاعت کا بیڑا اٹھایا، بحمداللہ تبارک وتعالیٰ اب تک مکتبہ صمدیہ کے زیراہتمام متعدّد کتب ورسائل مثلاً ملفوظ مصابیح القلوب (حالات حافظ بخاری خواجہ سید عبدالصمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ) مصباح مدحت (مجموعہ نعت ومنقبت) قلمی رشحات (مجموعہ مضامین ومقالات) ”عہد نبوی میں غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ“ وغیرہ طبع ہوکر منظرعام پر آچکی ہیں۔ گزشتہ سال (۲۰۱۵ء) ایک اہم کتاب ”عہد نبوی میں غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ“ کا اردو ایڈیشن شائع ہوا، علمی وعوامی حلقوں میں اس کتاب کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی، بعض احباب کا مطالبہ ہوا اس کتاب کی افادیت کو عام سے عام تر کرنے کے لیے اس کا ہندی ایڈیشن بھی منظرعام پر آنا چاہیے۔

احباب کے مطالبات کو مدنظر رکھتے ہوئے اس سال مکتبہ صمدیہ دو کتابوں کی اشاعت کی سعادت حاصل کررہا ہے۔ جس میں پہلی کتاب ”سیرت نبوی میں رحم وکرم کے تابندہ نقوش“ اور دوسری کتاب ”عہد نبوی میں غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ“ کا ہندی ایڈیشن ہے۔ یہ دونوں کتابیں سیرت نبوی کے حوالے سے حضرت مولانا محمد ساجد رضا مصباحی کی تحقیقی تصنیفات ہیں، موصوف ہندوستان کی ایک عظیم دینی درس گاہ جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف کے باصلاحیت اور ذمے دار استاذ ہیں، درس وتدریس کی مصروفیت کے ساتھ ساتھ تحقیق وتصنیف کے میدان میں بھی سرگرم عمل رہتے ہیں اس سے قبل مکتبہ صمدیہ آپ کی دو کتابوں کو شائع کرنے کا شرف حاصل کر چکا ہے۔ ہم مولانا موصوف کی اس تیسری تصنیف کو شائع کرتے ہوئے خوشی محسوس کررہے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آئندہ بھی مولانا اسی طرح تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔ اللہ ان کے علم وعمل میں برکتیں عطا فرمائے اور دارین کی سعادتوں سے نوازے۔ امین

سید محمد مظفر چشتی
مکتبہ صمدیہ پھپھوند شریف ضلع اوریا یوپی

ابتدائیہ

فخر موجودات باعث تخلیق کائنات محمد عربی علیہ التحیۃ والثنا کی سیرت مبارکہ انسانوں کے لیے ہر دور اور ہر زمانے میں مشعل راہ رہی ہے۔آپ کی سیرت طیبہ کا ہر ہر گوشہ انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ اور گوناگوں خصوصیات کا حامل ہے۔ سیرت نبوی کا جس نہج سے بھی مطالعہ کیا جائے حیرت انگیز انکشافات سامنے آتے ہیں۔

رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی سیرت طیبہ پر مصنفین اور محققین نے مختلف زبانوں میں بڑی ضخیم کتابیں لکھی ہیں، خاص طور سے عربی زبان میں سیرۃ الرسول کی مستند کتابوں کی ایک طویل فہرست ہے۔ اردو زبان میں بھی ماضی قریب میں متعدّد مکاتب فکر کے علما نے اپنے اپنے انداز میں سیرت رسول کو موضوع سخن بنایا ہے۔ سیرت رسول کا موضوع اس قدر وسیع اور ہمہ گیر ہے کہ اس کے تمام گوشوں کے احاطہ کا دعویٰ آج تک کسی مصنف و محقق نے کرنے کی جرأت نہیں کی آخر اس ذات بابرکت کی عظمتوں کو کماحقہ کوئی کیا بیان کر سکتا ہے جس کا ثناخواں خود ذات باری تعالیٰ ہو، مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں:

اے رضا خود صاحب قرآں ہے مداح حضور
تجھ سے کب ممکن ہے پھر مدحت رسول اللہ کی

حضرت شیخ سعدی شیرازی نے اسی مفہوم کو بڑے حسین انداز میں اس طرح بیان کیا ہے:

لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

آقائے کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے ثناخوانوں میں اس عاصی اور نحیف وناتواں کا بھی شمار ہو جائے اس سے بڑھ کر سعادت کیا ہو سکتی ہے۔اسی امید کے ساتھ رسول اعظم ﷺ کی سیرت طیبہ کے اہم گوشہ یعنی آپ کے رحم وکرم اور لطف وعنایات کو اس کتاب میں موضوع سخن بنایا گیا ہے اور اس گوشے کے مختلف جہات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے۔خاص بات یہ

ہے کہ اس کتاب میں رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے رحم وکرم کے پہلوؤں کو احادیث کی روشنی میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اکثر حدیثیں صحاح ستہ اور بعض حدیثیں دیگر معتمد کتب حدیث سے ماخوذ ہیں۔ جن کے ترجمہ وتخریج کا التزام کیا گیا ہے۔ آیات قرآنیہ کے ترجمے اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے ترجمہ قرآن کنزالایمان سے نقل کیے گئے ہیں۔

اس عنوان پر مواد کی فراہمی کے لیے تلاش وتتبع کے دوران مصری عالم دین دکتور راغب الحنفی السرجانی کی عربی زبان میں ایک بڑی اہم تالیف " الرحمۃ فی حیاۃ الرسول " کے مطالعہ کا شرف حاصل ہوا، اپنے موضوع پر یہ بڑی جامع اور مستند کتاب ہے۔ میں نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے۔

جامع معقول ومنقول حضرت علامہ مفتی محمد انفاس الحسن چشتی دام ظلہ شیخ الحدیث وصدر المدرسین جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف، امیر القلم ادیب شہیر حضرت مولانا مقبول احمد سالک مصباحی بانی ومہتمم جامعہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دہلی، اور عم مکرم حضرت مولانا شکیل انور مصباحی استاذ دارالعلوم محمود الاسلام پربھاس پاٹن ضلع گیر سومناتھ گجرات نے اپنے قیمتی تاثرات وتقریظات کے ذریعہ میری حوصلہ افزائی فرمائی ہے، میں ان تمام کرم فرماؤں کا شکر گزار ہوں۔

جامعہ صمدیہ کے سربراہ اعلیٰ مخدوم گرامی حضرت علامہ سید محمد انور میاں چشتی دام ظلہ الاقدس آستانہ عالیہ صمدیہ مصباحیہ پھپھوند شریف کی عنایتوں اور شفقتوں پر سراپا سپاس ہوں، جن کی مخلصانہ کوششوں اور مسلسل جدوجہد سے جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف ترقی کی راہ پر گام زن ہے، جہاں مجھ جیسے ناکارہ اور عصیاں شعار کو علم دین کی خدمت پر مامور کر رکھا ہے۔ رب قدیر ان کی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کا سایہ عاطفت تادیر ہمارے سروں پر قائم ودائم رکھے۔

استاذی الکریم فخر صحافت حضرت علامہ مبارک حسین مصباحی چیف ایڈیٹر ماہ نامہ اشرفیہ مبارک پور کی خدمت میں محبتوں کا گل دستہ لیے حاضر ہوں، جن کی پیہم

نوازشات وعنایات کے سبب مجھے حوصلہ ملتا ہے اور جن کی رہنمائی میرے لیے نشان منزل ثابت ہوتی ہے۔کتاب کا نام" سیرت نبوی میں رحم وکرم کے تابندہ نقوش" آپ ہی کا منتخب کردہ ہے۔

نظر ثانی کے کام میں جامعہ کے اساتذہ میں مولانا مجیب عالم مصباحی، مولانا احکام علی صمدی مصباحی، مولانا عابد چشتی ثقافی نے تعاون کیا ہے، پروف ریڈنگ طیب رضا خیرآبادی درجہ فضیلت، زید رضا لکھیم پوری، شمس الہدیٰ فتح پوری درجہ سابعہ جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف نے کی ہے۔کمپوزنگ میں ظفر اقبال فتح پوری نے تعاون کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان سبھی حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

مخدوم گرامی مرتبت حضرت مولانا سید محمد مظفر چشتی قبلہ آستانہ عالیہ صمدیہ پھپھوند شریف کے حکم اور مسلسل تقاضوں کی وجہ سے اس کتاب کا کام مکمل ہوسکا، انہوں نے مزید کرم فرماتے ہوئے طباعت واشاعت کی ذمے داری اپنے مکتبہ صمدیہ جامع مسجد پھپھوند شریف کے ذمے لے کر میرے لیے آسانی فراہم کردی ہے، ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

۵/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ
۱۵/ فروری ۲۰۱۶ء دوشنبہ مبارکہ

محمد ساجد رضا مصباحی
خادم تدریس جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف
متوطن: نوری نگر کمات ضلع اتردیناج پور بنگال

باب اول

رحمت: کتاب وسنت کی روشنی میں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مشہور فلسفی فولٹر(Folter)پادریوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے:

" رسول اللہ ﷺ نے ایک ایسے عہد کی تعمیر کی جس میں انسان روئے زمین پر امن وامان کے ساتھ قیام کرنے کے قابل ہو گیا، اتنی بات تو یقین کے ساتھ کہی جا سکتی ہے (حضرت) محمد (ﷺ) ایک کتاب لے کر آئے اور (اس کی تبلیغ واشاعت کے لیے) مسلسل جد وجہد کرتے رہے، اور تم لوگوں نے اپنے دین میں بیس مرتبہ تبدیلی کی"۔ (1)

قیام امن اور تحفظِ انسانیت کے حوالے سے سرکارِ دوعالم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے درخشاں پہلوؤں سے مغربی مفکرین بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ جس انصاف پسند اور غیر جانب دار محقق نے بھی آپ کی حیاتِ مبارکہ کا مطالعہ کیا وہ بے ساختہ پکار اٹھا، محمد ﷺ صحیح معنوں میں نبی رحمت، پوری انسانیت کے لیے مجسمہ رحم وکرم، مرکز جود وسخا اور منبع الطاف وعنایات ہیں۔

سرکار ﷺ کی سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ اور اس پر کما حقہ گفتگو کرنا کسی انسان کے بس کی بات نہیں، ہم نے اس کتاب میں نبی رحمت ﷺ کی حیات مبارکہ کا ایک خاص گوشہ یعنی آپ کی شانِ رحیمی وکریمی کو موضوع سخن بنایا ہے۔ یہ بات مسلّم ہے کہ سرکار ﷺ کی سیرت طیبہ انسانیت کے لیے ہر موڑ پر مشعل راہ اور نمونہ عمل ہے، فرد ہو یا جماعت، تنظیم ہو یا تحریک، حکومت ہو یا سلطنت، اپنے ہوں یا غیر سبھی اس مینارہ نور کی ضیا پاشیوں سے تابندگی حاصل کر سکتے ہیں۔ ہم یہاں اصل موضوع پر گفتگو شروع کرنے سے پہلے سرکار ﷺ کے اوصاف کریمانہ کا ایک سرسری جائزہ پیش کرنا چاہتے ہیں۔

رسول کریم ﷺ کی حیات مبارکہ کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ آپ جہاں اللہ کے سب سے مکرم ومعظم رسول تھے وہیں عظیم اسلامی سلطنت کے بانی اور قائد

(1) کاتر ینا مومزن: جوته والعالم العربي ص:۱۸۱

وحاکم بھی تھے، اس کے باوجود آپ اپنے صحابہ کے درمیان بالکل انہیں کی طرح زندگی گزارا کرتے تھے، آپ امتیازات کو پسند نہیں کرتے تھے، نہ کھانے پینے میں، نہ رہنے سہنے میں اور نہ زندگی کے دیگر معاملات میں ، آپ نے اذیتیں بھی برداشت کیں ، بھوک وپیاس کی شدتیں بھی جھیلیں ، مصائب وآلام پر صبر و شکر کیا، مشرکین مکہ کی ایذا رسانیوں سے دل برداشتہ ہوکر مدینہ شریف ہجرت فرمائی، اعلائے کلمۃ الحق کے لیے دیگر صحابہ کے ساتھ کافروں سے جنگ بھی کی، اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے ناراض نہیں ہوئے، اور نہ ہی اپنے لیے کسی سے انتقام لیا۔ آپ بہت ہی سخی تھے، کبھی کسی سائل کو نامراد نہیں لوٹایا، جو بھی مال ومنال آیا اللہ کی راہ میں خرچ فرمادیا، آپ کے اندر فخر وتکبر کا دور دور تک کوئی شائبہ نہیں تھا، فقرا اور مساکین کی مجلسوں میں بھی تشریف فرما ہوتے، مدینہ کی گلیوں میں نہایت سادہ انداز میں نکلتے، مریضوں کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے، جنازوں میں شرکت فرماتے، جمعہ میں صحابہ سے خطاب فرماتے، صحابہ کے گھروں میں بھی تشریف لے جایا کرتے، خوش روئی، خوش اخلاقی آپ کا امتیازی وصف تھا، رحم وکرم میں آپ کی کوئی مثال نہ تھی، معاملات میں آسانی کو پسند فرمایا کرتے تھے، عفو ودر گزر میں اپنی مثال آپ تھے، یہاں تک کہ آپ ظلم وستم کے پہاڑ توڑنے والوں کو معاف فرمادیتے، صلہ رحمی اور اخوت ومحبت میں آپ کا کوئی ہمسر نہ تھا۔

ان تمام اوصاف کاملہ کے ساتھ ساتھ آپ ایک عظیم سیاسی قائد ور ہنما بھی تھے، معاملات میں آپ کی اصابت رائے کے قائل آپ کے سخت ترین دشمن بھی تھے، جامع خطاب فرمایا کرتے تھے، دورانِ خطاب حکمت وموعظت کے آبشار پھوٹتے تھے، آپ کے مختصر جملوں میں معانی ومفاہیم کے خزانے پوشیدہ ہوتے، اپنی تمام تر عظمتوں کے باوصف اپنے صحابہ سے معاملات میں مشورہ فرمایا کرتے، ان کے مشوروں کو اہمیت دیتے۔ جس قدر خیر خواہی آپ اپنے جاں نثار صحابہ کی فرماتے اسی قدر اپنے سخت ترین دشمنوں کے بھی خیر خواہ تھے۔ آپ کے ان اوصاف حمیدہ کا اعتراف آپ

کے ازلی دشمنوں نے بھی کیا۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ آپ ان اوصاف جمیلہ سے کسی خاص زمانے ہی میں متّصف نہیں رہے بلکہ یہ اوصاف جمیلہ آپ کی کتاب حیات کے ہر ہر ورق پر نمایاں نظر آتے ہیں ، ہمیں سیرت نبوی میں یہ اوصاف مکہ کے کرب واضطراب کے دنوں میں بھی نظر آتے ہیں ، مدینہ شریف کی غیر یقینی صورت حال میں بھی ، امن وسلامتی کے دنوں میں بھی نظر آتے ہیں اور جنگ کے ہنگامی حالات میں بھی ، تنگی کے دنوں میں بھی فراخی کے ایام میں بھی ۔ اپنے جاں نثار صحابہ کے ساتھ بھی اور خون کے پیاسے دشمنوں کے ساتھ بھی۔ قرآن کریم نے آپ کے ان ہی اوصاف کی گواہی دیتے ہوئے کہا:

 (1)

اور بے شک تمھاری خو بو بڑی شان کی ہے۔

☆☆☆

(1) القلم : ٤

رحمت: کتاب وسنت کی روشنی میں

قرآن کریم اور احادیث رسول، دینِ اسلام کے دو بنیادی سرچشمے اور اسلامی دستور حیات کے ماخذ ہیں، اس لیے بحث کے آغاز میں "رحمت" کے حوالے سے قرآنی اور حدیثی نظریات کی وضاحت کے بعد مصطفیٰ جانِ رحمت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی سیرت طیبہ کے اس پہلو کو سمجھنا آسان ہوگا۔

قرآن مقدس میں رحم وکرم کے تذکرے متعدّد مقامات پر آئے ہیں، ترتیب توقیفی کے مطابق قرآن پاک کا آغاز سورہ فاتحہ سے ہوتا ہے، قرآن پاک کی اس ابتدائی سورت ہی میں اللہ تعالیٰ کے دو خاص اوصاف رحمٰن اور رحیم کا تذکرہ پوری جلوہ سامانی کے ساتھ موجود ہے، قرآن کی تمام سورتوں کا آغاز (سوائے سورہ برأت کے) بسم اللہ الرحمن الرحیم سے ہوتا ہے، بسم اللہ شریف میں اللہ جل شانہ کی دو صفتیں رحمٰن اور رحیم کا ذکر آیا ہے، یہ دونوں لفظ آپس میں متقارب المعنیٰ ہیں، اگرچہ علما نے ان کے درمیان لطیف فرق بھی بیان کیا ہے لیکن معنی رحمت میں دونوں مشترک ہیں، اس مقام پر رحمٰن کی صفت بیان کرنے کے بعد اللہ جل شانہ کی دیگر صفات میں سے کسی صفت کو بھی اختیار کیا جاسکتا تھا، مثلاً عظیم، حکیم، سمیع، بصیر وغیرہ، یوں ہی صفت رحمت کو بیان کرنے کے بعد صفت جبر وقہر کو بیان کرتے ہوئے الجبار القہار وغیرہ الفاظ بھی استعمال کیے جاسکتے تھے، لیکن ان صفات کو نہ ذکر کر کے صفت رحمت کو مکرر ذکر کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت ان تمام صفات پر مقدم ہے، اللہ تعالیٰ صبح وشام بندوں پر رحمتیں نازل فرماتا ہے۔

ایک محقق نے قرآن پاک میں مذکور اللہ جل شانہ کی صفت رحمت اور ان کے مشتقات نیز دیگر اوصاف کا تقابلی جائزہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں نے جب قرآن پاک کا گہرائی سے مطالعہ کیا تو مجھے حیرت ہوئی کہ قرآن مجید میں اللہ جل شانہ کی صفت رحمت اور اس کے مشتقات کا ذکر تین سو پندرہ مرتبہ آیا ہے جب کہ صفت صدق کا ذکر

۱۴۵ ربار صفت صبر ۹۰ بار، صفت عفو ۴۳ بار، صفت کرم ۴۲ بار، صفت امانت ۴۰ بار صفت وفا کا ذکر ۲۹ بار آیا ہے [1]۔ اس اعداد و شمار سے اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن پاک میں رحم وکرم کے وصف کو کس اہتمام کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

قرآن پاک میں متعدّد انبیاے کرام کی دعائیں منقول ہیں جو انہوں نے مختلف موقعوں پر اپنے رب سے کیں، لیکن ان تمام دعاؤں کا قدر مشترک وصف رحمت ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام نے رب کی بار گاہ میں دعا کی:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ٚ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۲۳ [2]

ترجمہ: دونوں نے عرض کی: اے رب ہمارے ہم نے اپنا بُرا کیا تو اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور نقصان والوں میں ہوئے۔ (کنزالایمان)

حضرت نوح علیہ السلام نے دعا فرمائی:

وَاِلَّا تَغْفِرْ لِيْ وَتَرْحَمْنِيْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۴۷ [3]

ترجمہ: اگر تو مجھے نہ بخشے اور رحم نہ کرے تو میں زیاں کار ہو جاؤں۔ (کنزالایمان)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قرآن پاک میں منقول ہے:

اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ ۝۱۵۵ [4]

ترجمہ: تو ہمارا مولیٰ ہے تو ہمیں بخش دے اور ہم پر مہر کر اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔

اس طرح کی متعدّد دعائیں قرآن پاک میں منقول ہیں جس میں انبیاے کرام علیہم الصلاۃ والسلام نے رب ذوالجلال کی بارگاہ میں اس کے بے پایاں فضل اور رحم وکرم کو طلب کیا ہے۔

(1) البرهان في علوم القرآن ۱/ ۲٦۰: ابو عبد الله الزركشي
(2) الاعراف ۲۳
(3) هود ٤٧
(4) الاعراف ١٥٥

احادیث نبویہ کی روشنی میں بھی ہمیں رحم وکرم کی فضیلت واہمیت کا شعور ملتا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ اللہ جل شانہ کے دیگر اوصاف پر صفت رحمت مقدم ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

"سمعت رسول الله ﷺ يقول ان رسول الله ﷺ قال : ان الله كتب كتاباً قبل ان يخلق الخلق ان رحمتي سبقت غضبي فهو مكتوب عنده فوق العرش۔ (1)

ترجمہ: میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ مخلوق کو پیدا فرمانے سے پہلے اللہ تعالیٰ نے ایک تحریر لکھی کہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے، پس وہ لکھی ہوئی تحریر اس کے پاس عرش کے اوپر ہے۔

یہ حدیثِ پاک اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب و قہر پر اور اللہ تعالیٰ کی نرمی اس کی شدت پر مقدم ہے۔ اللہ تعالیٰ کا رحم وکرم بندوں پر صرف دنیا ہی میں نہیں ہے بلکہ آخرت اور یوم قیامت میں بھی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحم وکرم کی بارشیں فرمائے گا، بلکہ اکثر لوگ جنت میں محض اللہ کے فضل سے جائیں گے۔

رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان الله خلق يوم خلق السمٰوت والارض مأة رحمة، كل رحمة طباق مابين السماء والارض، فجعل منها في الارض رحمة ، فبها تعطف الوالدة علىٰ ولدها، والوحش والطير بعضها علىٰ بعض فاذا كان يوم القيامة اكملها بهذه الرحمة (2)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے جس دن آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا اس دن اس نے سو رحمتیں پیدا کیں، ہر رحمت آسمان اور زمین کی وسعت کے برابر ہے، اس نے اس میں سے ایک رحمت زمین پر نازل کی ہے، اس رحمت کی وجہ سے والدہ اپنی اولاد پر رحمت کرتی ہے

(1) البخاری: کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ
(2) مسلم: کتاب التوبۃ، باب فی سعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ

،درندے اور پرندے ایک دوسرے پر رحمت کرتے ہیں، جب قیامت کا دن ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس رحمت کے ساتھ اپنی رحمتوں کو مکمل فرمائے گا۔

یہ اللہ جل شانہ کا بے پایاں فضل واحسان ہے کہ اس نے زمین وآسمان کی تخلیق سے قبل اپنی رحمت کو پیدا فرمایا، اور اپنے غضب وقہر پر اپنی رحمت کو مقدم فرماکر پوری انسانیت کو یہ مزاج دیا کہ رحم وکرم اور عفوودرگزر ہر حال میں مقدم ہونا چاہیے۔ بندوں پر رحم اور ان کے ساتھ ہمدردی اور عفووکرم سنت الٰہی ہے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ[1]

ترجمہ: اور تمھارے رب نے اپنے ذمہ کرم پر رحمت لازم کرلی ہے۔

امام طبری[2] اپنی تفسیر میں اس آیت کریمہ کی تفسیر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

قضی سبحانه انه بعباده رحيم لا يعجل عليهم بالعقوبة ويقبل منهم الاثابة والتوبة[3]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں یہ فیصلہ فرمادیا کہ وہ اپنے بندوں پر رحیم ہے، انہیں سزا دینے میں جلدی نہیں فرماتا، اس کی توبہ اور رجوع قبول فرماتا ہے۔

قرآن پاک اور احادیث کی تفصیلات کے مطابق یہ عیاں بلکہ اظہر من الشمس ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا ہدف اللہ تعالیٰ کی رحمت کاملہ کو اپنے رسول کے واسطے سے پوری انسانیت پر عام وتام فرمانا ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے

---

(1) الانعام: ٥٤

(2) ابوجعفر محمد بن جریر طبری ۲۲۴ ہجری میں طبرستان کے شہر آمل میں پیدا ہوئے تھے اور اُن کی وفات چھیاسی سال کی عمر میں ۳۱۰ ہجری میں شہرِ بغداد میں واقع ہوئی۔ اُنھوں نے جامع البیان فی تفسیر القرآن کے نام سے قرآن شریف کی ایک تفسیر عربی زبان میں تالیف کی ہے جس کا شمار قرآن کی قدیم ترین، دقیق ترین اور اہم ترین تفسیروں میں ہوتا ہے۔ بعد میں اس کتاب نے زیادہ تر تفسیرِ طبری کے نام سے شہرت پائی۔

(3) جامع البیان عن تاویل آی القرآن ١٥٤ /٥ للطبری

لیے بھی ان کے رحم وکرم اور عفوودرگزر کے وصف کو پورے آب و تاب کے ساتھ قرآن پاک میں بیان فرمایا:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ [1]

ترجمہ: اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے۔

امام طبری نے اپنی تفسیر میں اس بات کی وضاحت فرمائی کہ علما کا اختلاف اپنی جگہ مگر حق یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے رحم وکرم کی چھاؤں میں مسلم اور غیر مسلم سبھی ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو سبھی کے لیے رحمت بناکر بھیجا، مومنین کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی رحمت کے صدقے میں ایمان کی دولت عطا فرمائی اور کافروں پر آپ کی رحمت کا ظہور اس طرح ہوا کہ گزشتہ انبیاے کرام کی تکذیب کرنے والی قوموں پر دنیا ہی میں اللہ کا عذاب نازل ہو جایا کرتا تھا لیکن آپ کی تکذیب کرنے والوں پر عذاب کو مؤخر کر دیا گیا۔

خیر خواہی کا جذبہ رحم وکرم کا ایک حصہ ہے، کسی کا خیر خواہ وہی ہو سکتا ہے جو اس پر مہربان ہو، رسول کریم ﷺ اپنی امت کی بھلائی کے لیے شب وروز فکر مند رہا کرتے تھے، ان کو اللہ کے عذاب سے بچانے کے لیے خود مشقتیں جھیل کر ان کے درمیان تشریف لے جاتے، انہیں اللہ کے عذاب سے ڈراتے، جہنم کی ہولناکیوں کا خوف دلاتے، اسلام کی دعوت پیش فرماتے، اس راہ میں آپ کو بے شمار مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا، آپ پر پتھر برسائے گئے، لہو لہان کیا گیا، لیکن آپ نے اپنے جذبہ عمل کو سرد ہونے نہیں دیا۔ یقینا یہ امت کے ساتھ حد درجہ پیار اور ان کے ساتھ رحم وکرم کا اظہار تھا۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

عن عبد الرحمن، أنه حدثه أنه، سمع أبا هريرة، رضى الله عنه. أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول " إنما مثلى ومثل الناس كمثل رجل استوقد نارا، فلما أضاءت ما حوله جعل الفراش وهذه الدواب التى تقع فى

(1) الانبیاء ۱۰۷

النار يقعن فيها، فجعل ينزعهن ويغلبنه فيقتحمن فيها، فأنا آخذ بحجزكم عن النار، وأنتم تقتحمون فيها ".(1)

حضرت عبدالرحمٰن نے بیان کیا، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ میری اور لوگوں کی مثال ایک ایسے شخص کی ہے جس نے آگ جلائی، جب اس کے چاروں طرف روشنی ہو گئی تو پروانے اور یہ کیڑے مکوڑے جو آگ پر گرتے ہیں اس میں گرنے لگے اور آگ جلانے والا انہیں اس سے نکالنے لگا لیکن وہ اس کے قابو میں نہیں آئے اور آگ میں گرتے رہے۔ اسی طرح میں تمھاری کمر کو پکڑ کر آگ سے تمہیں نکالتا ہوں اور تم ہو کہ اسی میں گرے جاتے ہو۔

☆☆☆

(1) البخاری، کتاب الرقاق، باب الانتهاء عن المعاصی

باب دوم

ضعیفوں پر رحم وکرم

ضعیفوں پر رحم وکرم

ضعیف کون لوگ ہیں؟

یہ ایک اہم سوال ہے ؟ صرف بچے اور بوڑھے ہی ضعیف نہیں بلکہ حقیقت کی نگاہ سے دیکھا جائے تو معاشرے کا ہر فرد ضعیف ہے، ضعف کی صورتیں الگ الگ ہیں، اگر بچہ اپنے جسمانی ساخت اور عقل وخرد کے اعتبار سے ضعیف ہے تو بوڑھا بھی اسی کی طرح ضعیف ہے، یوں ہی طاقتور جوان بھی کبھی ضعیف ہوتا ہے خواہ یہ ضعف مال ودولت، علم وفضل اور عقل وخرد ہی کے حوالے ہی سے کیوں نہ ہو، اگر فقیر ومسکین شخص اپنے فقر کی وجہ سے ضعیف ہے تو مال دار بھی کبھی اپنی صحت اور ایمان کے اعتبار سے ضعیف ہوا کرتا ہے۔ حاصل یہ کہ ضعف ایسا وصف ہے جو معاشرے کے ہر فرد کے ساتھ کسی نہ کسی جہت سے پایا جاسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ جل شانہ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا:

وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ﴿۲۸﴾ (1)

ترجمہ: اور آدمی کمزور بنایا گیا (کنزالایمان)

بلاشبہہ انسان ضعیف ہے ضعف اس کے خمیر میں شامل ہے، یہی وجہ ہے حضرت آدم علیہ السلام کی تمام فضیلتوں کے باوجود ان کے سلسلے میں رب تعالی نے ارشاد فرمایا:

وَ لَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤی اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ (2)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے آدم کو اس سے پہلے ایک تاکیدی حکم دیا تو وہ بھول گیا اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا۔

اللہ کے اس جلیل القدر پیغمبر کی طرف ضعف کا انتساب اس بات کی دلیل ہے

(1) النساء: ٢٨
(2) طٰہٰ: ١١٥

کہ ان کی اولاد میں ضعف کا پایا جانا فطری بات ہے ، اس کی تصدیق شب معراج سرکار دوعالم ﷺ اور حضرت موسی علیہ السلام کے درمیان ہونے والے اس مکالمے سے بھی ہوتی ہے جس میں حضرت موسی علیہ السلام نے سرکار ﷺ سے عرض کیا تھا کہ آپ کی امت کمزور ہے پچاس وقت کی نماز ان کے لیے مشقت کا سبب ہوگی۔[1]

صحابہ کرام کی عظمتِ شان کا کون منکر ہوسکتا ہے ، سرکار اقدس ﷺ نے کبارِ صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے انہیں ضعیف کہا، حضرت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جلیل القدر صحابی ہیں، سرکار دوعالم ﷺ ان سے مخاطب ہیں، ارشاد فرماتے ہیں:

یا اباذر انی اراك ضعیفا وانی احب لك ما احب لنفسی، لا تأمرن علیٰ اثنین ولا تولین مال یتیم[2]

ترجمہ: اے ابوذر میں تم کو کمزور پاتا ہوں اور میں تمھارے لیے وہی چیز پسند کرتا ہوں جسے اپنے لیے پسند کرتا ہوں، تم دو آدمیوں پر بھی امیر نہ بننا اور نہ یتیم کے مال کا والی بننا۔

بلکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف ضعف کی نسبت کی، حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے:

سمعت النبی صلی الله علیه وسلم یقول " بینا أنا نائم رأیتنی علی قلیب علیها دلو، فنزعت منها ما شاء الله، ثم أخذها ابن أبی قحافة، فنزع بها ذنوبا أو ذنوبین، وفی نزعه ضعف، والله یغفر له ضعفه،ثم استحالت غربا، فأخذها ابن الخطاب، فلم أر عبقریا من الناس ینزع نزع عمر، حتی ضرب الناس بعطن.[3]

حضرت ابوہریرہ نے کہا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ نے فرمایا کہ میں سورہا تھا کہ خواب میں میں نے اپنے آپ کو ایک کنویں پر دیکھا جس پر ڈول

(1) البخاری: کتاب التوحید، باب وکلم اللہ موسی تکلیما
(2) مسلم: کتاب الامارة، باب کراھیة الامارة بغیر ضرورة.
(3) البخاری: کتاب فضائل الصحابة، باب لو کنت متخذ خلیلا

تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جتنا چاہا میں نے اس ڈول سے پانی کھینچا، پھر اسے ابن ابی قحافہ (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ) نے لے لیا اور انہوں نے ایک یا دو ڈول کھینچے، ان کے کھینچنے میں کچھ کمزوری سی معلوم ہوئی اللہ ان کی اس کمزوری کو معاف فرمائے۔ پھر اس ڈول نے ایک بہت بڑے ڈول کی صورت اختیار کر لی اور اسے عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) نے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ میں نے ایسا شہ زور پہلوان آدمی نہیں دیکھا جو عمر (رضی اللہ عنہ) کی طرح ڈول کھینچ سکتا۔ انہوں نے اتنا پانی نکالا کہ لوگوں نے اپنے اونٹوں کو حوض سے سیراب کر لیا۔

سابقہ گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ ضعف ہر انسان کا لازمہ ہے، ضعیفی کی جہات الگ الگ ہیں۔ نبی کریم ﷺ تمام انسانوں پر عام حالات میں بھی حد درجہ مہربان اور لطف وکرم فرمانے والے ہیں، ضعیفی کی حالت انسانی قلب میں حزن وملال کی کیفیت پیدا کرتی ہے، کسی بھی جہت سے ضعیف انسان دوسروں کی ہم دردی اور تعاون کا خواستگار ہوتا ہے، ایسے عالم میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی انسان کی پریشانی اور دکھ سے کس قدر رنجیدہ ہوں گے اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ سرکارِ دوعالم ﷺ نے ہمیں ہر طرح کی ضعیفی سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی ہے، ارشاد رسول ہے:

اللهم انی اعوذبك من غلبة الدّين، وغلبة العدو وشماتة الاعداء[1]

ترجمہ: اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں قرض اور دشمن کے غلبہ اور استہزا سے۔

مختلف حالات اور اوقات میں انسانوں کے ساتھ کمزوری کا لاحق ہونا عین فطرت ہے، کمزوری کی اس کیفیت میں انسان عام حالات کی طرح کسب وعمل پر قادر نہیں ہوتا، اسی لیے اسلام نے کمزوری کو تخفیف احکام کا سبب قرار دیا، قرآن پاک میں ارشاد فرمایا گیا:

اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَ عَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا[1]

(1) النسائی: عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص

ترجمہ :اب اللہ نے تم پر سے تخفیف فرمادی اور اسے معلوم ہے کہ تم کمزور ہو۔(کنزالایمان)

یہ آیت پاک اصحاب بدر کے سلسلے میں نازل ہوئی،جس کا مقصد ان کی ملامت نہ تھا،بلکہ اس بات کی وضاحت مقصود تھی کہ اللہ اپنے بندوں کی قوت وطاقت سے واقف ہے،انہیں انہی احکام کامکلف بنایا جائے گا جن کو بجالانے کی ان کے اندر طاقت ہو،جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا[2]

ترجمہ:اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر،(کنزالایمان)

یعنی اسلام نے تکلیفِ احکام میں مکلف کی حالت کالحاظ رکھا ہے اور اسے ایسے احکام کا مکلف نہیں بنایا جو اس کی طاقت سے باہر یا اس کے لیے مشقت کا باعث ہو،بلاشبہ یہ اللہ کی رحمت اور بندوں پر اس کا حد درجہ لطف وکرم ہے۔

ضعیف کون لوگ ہیں اور رسول کریم ﷺ نے ضعیفوں کو جو خصوصی مراعات عطا فرمائی ہیں اس کا ایک اجمالی خاکہ ہم نے پیش کیا،اگلے صفحات میں ضعیفوں کے مختلف طبقات پر سرکار دوعالم ﷺ کی رحمت عام کے تذکرے اور شریعت مصطفوی میں ان کے لیے عطا کی گئی خصوصی دفعات کا ذکر کریں گے۔

گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ

(1) الانفال:٦٦

(2) البقرة:٢٨٦

عمر رسیدہ افراد پر رحم وکرم

معاشرہ کا ایک کمزور طبقہ جسے ہم "بوڑھا" کہتے ہیں، انسانی زندگی کے کئی مراحل سے گزرتے ہوئے بڑھاپے کو پہنچتا ہے، بڑھاپا گویا اختتامِ زندگی کا پروانہ ہے، زندگی کے آخری ایام ہنسی خوشی گزریں، مصائب وآلام اور مشقتوں کا سامنا نہ ہو یہ ہر عمر رسیدہ شخص کی خواہش ہوتی ہے، وہ اپنے بال بچوں اور اعزا واقارب کی توجہات کا طالب ہوتا ہے، اولاد سے ان کی بڑی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں، وہ سماج کے لوگوں کی محبتوں کا بھوکا ہوتا ہے، لیکن آج ان عمر رسیدہ لوگوں کے ساتھ کیسا برتاؤ کیا جا رہا ہے اس سے ہر شخص واقف ہے، نہ تو اولاد کو اپنے بوڑھے ماں باپ کی فکر ہے اور نہ ہی خویش واقارب کو اپنے خاندان کے ضعیفوں کی، سماج کی نئی نسل بھی ان بزرگوں کو نئی فکر اور نئی تہذیب کا دشمن سمجھ کر نظر انداز کرنا چاہتی ہے، گویا کہ انسانی معاشرہ پوری طرح خود غرضی کا شکار ہے، لیکن آیئے دیکھتے ہیں کہ ہمیں سیرت رسول ﷺ میں سماج کے اس طبقے کے ساتھ کس طرح کے برتاؤ کا درس ملتا ہے۔

نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بوڑھوں اور ضعیفوں کے ساتھ بہت ہی زیادہ حسنِ سلوک کا مظاہرہ فرمایا، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ عمر رسیدہ افراد کی قدر دانی کی تعلیم دی، وہیں آپ نے اپنے عمل وکردار کے ذریعہ ان کی قدر دانی کا ثبوت بھی مہیا فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سن رسیدہ افراد کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ اللّٰهِ إِكْرَامَ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ ، وَحَامِلِ الْقُرْآنِ غَيْرِ الْغَالِي فِيهِ وَالْجَافِي عَنْهُ، وَإِكْرَامَ ذِي السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ[1]

ترجمہ: بوڑھے مسلمان کی تعظیم کرنا اللہ کی تعظیم کا ایک حصہ ہے اور اسی طرح قرآن مجید کے عالم کی جو اس میں تجاوز نہ کرتا ہو اور اس بادشاہ کی تعظیم جو انصاف کرتا ہو۔(یعنی ان

(1) ابو داوٗد: باب فی تنزیل الناس منازلھم من کتاب الادب

تینوں کی تعظیم اللہ ہی کی تعظیم ہے)

اس حدیثِ پاک میں رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رسیدہ کے اکرام کو حاملِ قرآن وعادل بادشاہ پر بھی مقدم کیا ہے، حالانکہ ان دونوں کی عظمت واہمیت اپنی جگہ پر مسلم ہے، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوڑھوں پر رحم وکرم فرماتے ہوئے، ان کی حمایت فرمائی

ایک موقع پر نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لیس منا من لم یرحم صغیرنا ویوقر کبیرنا ویأمر بالمعروف وینہ عن المنکر [1]

ترجمہ: جو چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کی تعظیم نہ کرے وہ ہمارے طریقے پر نہیں۔

دراصل ایک موقع پر ایک عمر رسیدہ شخص سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کے لیے حاضر خدمت ہوا، مجلس میں موجود افراد نے ان کے لیے جگہ کشادہ نہیں کی تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین کو تنبیہ فرماتے ہوئے یہ جملہ ارشاد فرمایا، یعنی جو شخص بوڑھوں اور بچوں کا خیال نہ رکھے، ان کے ساتھ رحم وکرم کا برتاؤ نہ کرے وہ ہمارے طریقے پر نہیں، ان کا اخلاق ہمارے اخلاق کی طرح نہیں، بڑوں کی تعظیم اور چھوٹوں پر شفقت مومن کے اخلاق کا جزو لازم ہونا چاہیے۔

فتح مکہ کے موقع پر جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح مبین عطا فرمائی، اور مشرکین مکہ کو شکست فاش کا سامنا کرنا پڑا، سرکار دوعالم، رحمت مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شکست خوردہ مشرکین مکہ کو یک لخت معاف فرمادیا، آپ کی اس معافی اور رحم وکرم سے متاثر ہوکر مشرکین مکہ جوق در جوق اسلام کے دامن سے وابستہ ہونے لگے، سرکار ﷺ مسجد حرام میں تشریف فرما تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد

(1)-المستدرك على الصحيحين الإيمان، المعجم الكبير باب الظاء، سنن الترمذي باب البر والصلة مسند الإمام أحمد من مسند بني هاشم

ماجد جو عمر رسیدہ اور ضعیف ہو چکے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ انہیں اپنے ساتھ لے کر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، تاکہ آپ کے دست حق پر کفر وشرک سے توبہ کر کے دامن اسلام سے وابستہ ہو جائیں۔ ،جب آپ نے یارِ غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ان کے ضعیف والد ماجد کو دیکھا تو ارشاد فرمایا: ابو بکر! اپنے بوڑھے باپ کو اپنے گھر میں کیوں نہیں چھوڑ دیا میں خود ان کے پاس آتا، حدیث پاک کے الفاظ ہیں:

فَلَمَّا دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ ، وَدَخَلَ الْمَسْجِدَ ، أَتَاهُ أَبُو بَكْرٍ بِأَبِيهِ ، يَعُودُهُ فَلَمَّا رَآهُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، قَالَ " : هَلَّا تَرَكْتَ الشَّيْخَ فِي بَيْتِهِ حَتَّى أَكُونَ أَنَا آتِيهِ فِيهِ " . قَالَ أَبُو بَكْرٍ : يَا رَسُولَ اللَّهِ ، هُوَ أَحَقُّ أَنْ يَمْشِيَ إِلَيْكَ مِنْ أَنْ تَمْشِيَ أَنْتَ إِلَيْهِ ، قَالَ : فَأَجْلَسَهُ بَيْنَ يَدَيْهِ ، ثُمَّ مَسَحَ صَدْرَهُ ، ثُمَّ قَالَ لَهُ : " أَسْلِمْ " ، فَأَسْلَمَ [1]

ترجمہ: جب رسول اللہ ﷺ (فتح مکہ کے موقع پر) مکہ شریف میں داخل ہوئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد گرامی کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں دیکھا تو ارشاد فرمایا: تم نے اپنے بوڑھے باپ کو گھر میں ہی کیوں نہ رہنے دیا، میں خود چل کر ان کے پاس آجاتا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میرے باپ کے لیے زیادہ لائق ہے کہ وہ چل کر آپ کے پاس حاضر ہوں، نہ کہ آپ زحمت فرمائیں۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنے سامنے بٹھایا اور ان کے سینے پر ہاتھ پھیرا اور ارشاد فرمایا: اسلام قبول کرلو، انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔

مقامِ غور ہے کہ ایک عظیم قائد جو شہر مکہ میں مکمل فاتحانہ شان وشوکت کے ساتھ داخل ہوا ہے، ان کی بارگاہ میں ایک عمر رسیدہ شخص جو دس سال سے زائد عرصہ سے ان

(1)-مسند احمد: رقم الحدیث ۲۸۰۰۱

کے حکم کی نافرمانی کر رہا ہے اور اب فتح حاصل ہو جانے کے بعد اپنے گزشتہ گناہوں پر اظہار ندامت کے لیے حاضر ہوا ہے، کوئی دنیاوی حاکم اس کے ساتھ کیسا برتاؤ کر سکتا ہے، بتانے کی ضرورت نہیں، لیکن رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا رحم وکرم دیکھیے، ارشاد فرماتے ہیں، اس بوڑھے اور ضعیف کو تکلیف دینے کی کیا ضرورت تھی، میں خود چل کر ان کے پاس آجاتا، اخلاق کی یہ وہ بلندی اور رحم وکرم کی یہ وہ مثال ہے جو صرف سیرتِ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ ہی میں نظر آتی ہے، تاریخ ایسا کوئی دوسرا واقعہ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

سرکار دوعالم ﷺ نے عمر دراز افراد کی ضعیفی اور نقاہت کا خیال فرماتے ہوئے نماز میں طویل قراءت سے سختی کے ساتھ منع فرمایا، کیوں کہ ضعیفی کے عالم میں دیر تک کھڑا رہنا مشقت کا باعث ہوتا ہے، حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

جاء رجل إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال : إني لأتأخر عن صلاة الصبح من أجل فلان ، مما يطيل بنا ، قال : فما رأيت النبي صلى الله عليه وسلم غضب في موعظة قط أشد مما غضب يومئذ، فقال : يا أيها الناس ، إن منكم منفرين ، فأيكم أم الناس فليوجز ، فإن من ورائه الكبير والضعيف وذا الحاجة . [1]

ترجمہ: ایک شخص سرکار دوعالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، عرض کیا یا رسول اللہ! میں فجر کی نماز میں فلاں شخص کی وجہ سے حاضر نہیں ہوتا ہوں، وہ نماز کو طویل کر دیتے ہیں، راوی کہتے ہیں کہ میں نے سرکار دوعالم ﷺ کو اس دن سے زیادہ کبھی سخت ناراض نہیں دیکھا، آپ نے ارشاد فرمایا: اے لوگو! تم (نماز طویل کر کے) نفرت میں ڈالتے

(1)-البخاری: کتاب الجماعة والامامة، باب تخفیف الامام فی القیام، واتمام الرکوع والسجود، ومسلم: کتاب الصلاة، باب امر لائمة بتخفیف الصلاة فی تمام.

ہو، تم میں سے جو امامت کرے وہ اپنی نماز کو مختصر کرے، کیوں کہ تمھاری اقتدا میں عمر دراز، ضعیف اور حاجت مند لوگ بھی ہوتے ہیں۔

والدین جو کبر سنی کو پہنچ جائیں وہ نرمی اور لطف وکرم کے اور بھی زیادہ مستحق اور متمنّی ہوتے ہیں۔ آج دنیا کے نقشے پر نظر ڈالیں اور مختلف مذاہب کے ماننے والوں اور مختلف تہذیبوں کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ والدین کے ساتھ جس طرح رحم دلی اور نرمی وملاطفت کا حکم ہمارے آقا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے دیا دنیا کے کسی قانون میں اس کی مثال نہیں ملتی، آج والدین جب بوڑھے ہوجاتے ہیں تو نئی تہذیب کا دل دادہ معاشرہ انہیں اپنے لیے بوجھ سمجھنے لگتا ہے، بہوئیں انہیں گھر کے آرام وسکون کے لیے خلل سمجھ کر ان سے الگ رہنا پسند کرتی ہیں، یورپی ممالک میں خاص طور سے ان کے ساتھ غیر انسانی رویہ روا رکھا جاتا ہے، ضعیف العمری میں جب وہ رحم وکرم کے زیادہ مستحق ہوتے ہیں، انہیں ان کے اپنے ہی بیٹے اولڈ ہاؤس (Old House) میں ڈال آتے ہیں، پھر ہفتے یا مہینے میں ان سے ملاقات کر کے اپنے آپ کو سبک دوش سمجھتے ہیں، اسلام نے اس رویے کو والدین کے ساتھ سراسر ناانصافی اور ظلم قرار دیا، رحمتِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے والدین کے ساتھ بھلائی اور نرمی کا حکم دیا اور اسے دنیا وآخرت کی سرخ روئی کا ذریعہ قرار دیا۔

بخاری شریف کی حدیث پاک ہے:

جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟ قَالَ: أُمُّكَ، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّكَ، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أُمُّكَ، قَالَ: ثُمَّ مَنْ؟ قَالَ: ثُمَّ أَبُوكَ. (1)

ترجمہ: ایک صحابی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میرے اچھے سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟ فرمایا کہ

(1)-البخاری: کتاب الادب، باب من احق الناس بحسن الصحبة، مسلم: کتاب البر والصلة والآداب، باب بر الوالدین،

تمھاری ماں ہے۔ پوچھا اس کے بعد کون ہے؟ فرمایا کہ تمھاری ماں ہے۔ انہوں نے پھر پوچھا اس کے بعد کون؟ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمھاری ماں ہے۔ انہوں نے پوچھا اس کے بعد کون ہے؟ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر تمھارا باپ ہے۔

اس حدیث پاک میں سب سے بہتر سلوک کا مستحق نہ تو دوست واحباب کو قرار دیا گیا اور نہ ہی بیوی بچوں کو بلکہ ان سب پر مقدم والدین کو رکھا گیا، سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان سے والدین کی عظمت وفضیلت کے ساتھ ساتھ ان کے ساتھ حسنِ برتاؤ کا حکم بھی معلوم ہوتا ہے۔

رحمت عالم ﷺ نے والدین کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے ساتھ رحم وکرم کے برتاؤ کو کس قدر اہمیت دی ہے اس کا اندازہ ذیل کی حدیث پاک سے لگایا جاسکتا ہے:

ایک شخص رحمت عالم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا، عرض کیا، یارسول اللہ ﷺ میں ہجرت پر بیعت کے لیے حاضر ہوا ہوں، لیکن میں جب اپنے والدین سے جدا ہو کر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لیے چلا تو میرے والدین کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور وہ رو رہے تھے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ارجع الیھما فاضحکھما، کما ابکیتھما [1]

گھر واپس جاؤ اور جس طرح تم نے اپنے والدین کو رلایا ہے انہیں ہنساؤ۔

عجیب صورت حال ہے، ایک شخص ہے جو ہجرت پر بیعت کے لیے حاضر ہوا ہے، دین کے لیے ہجرت بڑے ثواب کا کام ہے، معاملہ بہت اہم ہے اس کے باوجود سرکار دوعالم ﷺ پر والدین کے ساتھ رفق ونرمی کا پہلو غالب ہے، سرکار ﷺ نے ان کے ضعیف والدین کے رونے بلکنے کو برداشت نہیں فرمایا، ارشاد فرمایا جاؤ اپنے والدین کو

(1)-ابو داؤد، رقم الحدیث ٢٥٢٧، والنسائی: رقم الحدیث ٤١٦٣، وابن ماجہ: رقم الحدیث ٢٧٨٢

خوش رکھو، اسی میں تمھارے لیے فلاح ہے، ضعیف والدین پر یہ سرکار ﷺ کی رحمت عام کی ایک ادنی سی جھلک ہے۔

ضعیفوں کے ساتھ رحم وکرم کے یہ چند نمونے بھی ملاحظہ فرمائیں:

ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کے بال اسلام کی حالت میں سفید ہوئے ہوں، اس کے لیے قیامت کے دن نور ہوگا۔(1)

اس حدیث پاک میں بڑھاپے کے اثرات کا اخروی فائدہ بیان کیا ہے کہ جس پر بڑھاپا اسلام کی حالت میں آیا ہو تو اس کے لیے اللہ اس بڑھاپے کی قدردانی کرتے ہوئے روزِ محشر نور مقدر فرمائے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بوڑھوں کا اکرام واحترام کرنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا: چھوٹا بڑے کو سلام کرے،(2)

بڑوں کے اکرام واحترام کی ایک شکل سلام بھی ہے، بڑوں کی عمر اور ان کی بزرگی کا لحاظ کرتے ہوئے چھوٹے ہی بڑوں کو سلام کیا کریں؛ تاکہ یہ سلام چھوٹوں کی جانب سے بڑوں کے اکرام کا جذبہ بھی ظاہر کرے، اور بڑوں کے لیے بھی دل بستگی کا سامان ہو، کئی مقامات پر بڑوں کو بچوں سے اسی بات کی شکایت ہوتی ہے کہ بچے انھیں سلام نہیں کرتے، فطری طور پر بڑے عزت کے طالب ہوتے ہیں، کیوں نہ ہم ان کے اس تقاضے کا لحاظ کرتے ہوئے سلام کے ذریعہ ان کا دل خوش کریں، مجالس میں کوئی مشروب آیا تو اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کا لحاظ کیا اس کو اولاً بڑے نوش فرمائیں، بڑوں سے آغاز ہو، فرمایا: بڑوں سے آغاز کرو؛ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ مسواک کرتے ہوئے دو شخصوں میں سے بڑے شخص کو پہلے مسواک عنایت فرمائی۔(3)

ایک موقع پر بوڑھوں کے اکرام کے فضائل وفوائد ذکر کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نوجوان نے کسی بوڑھے کا اکرام اس کی عمر کی بنیاد پر کیا تو اللہ

---

(1)-ترمذی: ١٦٣٤ باب ماجاء فی فضل من شاب،

(2)-بخاری: ٦٢٣٤ باب تسلیم الصغیر علی الکبیر

(3)-ابو داوٗد: ٥٠ باب فی الرجل یستاك

تعالیٰ اس کے لیے بڑھاپے میں اکرام کرنے والا شخص مقرر فرمائے گا[1]

اپنا بڑھاپا ہر شخص عزت وعظمت کے ساتھ گزارنا چاہتا ہے، اس زمانے میں ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ ضروریات کی تکمیل کے لیے اس کے پاس ہر وقت خدمت گزار موجود رہیں، آرام وآسایش کی ساری چیزیں مہیا ہوں، ان خواہشات کی تکمیل کے لیے نبی کریم ﷺ نے ایک آسان نسخہ عنایت فرمایا کہ اپنے بوڑھوں کا اکرام کرو تمھیں بڑھاپے میں خدمت گار مل جائیں گے، الغرض! مختلف مواقع پر مختلف انداز سے آپ نے بوڑھوں کی اہمیت وعظمت کو واضح کیا، اور امت کو ان پر توجہ کی تعلیم دی، یہ آپ کے کریمانہ اخلاق ہیں کہ امت کے ہر کمزور طبقہ پر بذاتِ خود بھی رحم وکرم کا معاملہ کیا، اوروں کو بھی رحم وکرم کے ساتھ پیش آنے کی تلقین کی۔

صدق الذی قال: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

(1)-ترمذی: ۲۰۲۲ باب ما جاء فی اجلال الکبیر، ضعیف

بچوں پر رحم وکرم

موجودہ دور میں ترقی یافتہ کہا جانے والا ہمارا سماج جہاں متعدد بیماریوں میں مبتلا ہے وہیں ایک بیماری یہ بھی ہے کہ ہمارے سماج میں پروان چڑھنے والے بچے جس لاڈ وپیار کے مستحق ہیں انہیں وہ لاڈو پیار نہیں مل پاتا، بلکہ بچوں کے حقوق کو پامال کرنے کے ساتھ ساتھ ان پر ظلم وستم بھی روار کھا جاتا ہے، انہیں ایسے کام پر مجبور کیا جاتا ہے جن کی اجازت ان کی جسمانی ساخت نہیں دیتی، آج بچہ مزدوری کا رواج تقریبا پوری دنیا میں ہے، کروڑوں بچے اپنے والدین کے دباؤ میں سخت محنت ومشقت کرنے پر مجبور ہیں، بعض ہوس پرست بچوں کو جرائم کے پیشوں سے جوڑ کر انہیں غیر قانونی کاموں پر مجبور کرتے ہیں، نتیجے کے طور پر بچے بگڑتے ہیں، اور جوان ہونے کے بعد بھی انہیں جرائم کے ارتکاب میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی۔

حالاں کہ بچپن کا زمانہ بے شعوری وبے خیالی کا زمانہ ہوتا ہے، اس زمانہ میں بچے بڑوں کے رحم وکرم کے محتاج ہوتے ہیں، بچے انھیں کو اپنا محسن سمجھتے ہیں جو ان کے ساتھ شفقت کا برتاؤ کریں، تربیت جس طرح قربت وانسیت سے ممکن ہے، ڈانٹ ڈپٹ اور زجر وتوبیخ سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی ہے، اسی لیے نبی کریم ﷺ نے بچوں کے ساتھ بے پناہ شفقت ومحبت کا برتاؤ کیا، اپنے ماننے والوں کو بھی بچوں سے لاڈو پیار اور ان سے شفقت ومحبت کے برتاؤ کا حکم دیا۔

رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَيُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا وَيَأْمُر بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ [1]

جو چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور بڑوں کی تعظیم نہ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔

(1)-المستدرك على الصحيحين الإيمان، المعجم الكبير باب الظاء، سنن الترمذي البر والصلة مسند الإمام أحمد من مسند بني هاشم

مصطفی جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کو اپنے قریب رکھا حتی کہ بچوں کے کھیل کا بھی لحاظ کیا، اگر کسی موقع پر وہ نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر سوار ہو گئے تو آپ نے ان کی دل بستگی کا بھرپور خیال فرمایا۔

حضرت عبد اللہ بن شداد رضی اللہ عنہ اپنے والد سے نقل فرماتے ہیں:

خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي إِحْدَى صَلَاتَيِ الْعِشَاءِ وَهُوَ حَامِلٌ حَسَنًا أَوْ حُسَيْنًا فَتَقَدَّمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَضَعَهُ ثُمَّ كَبَّرَ لِلصَّلَاةِ فَصَلَّى فَسَجَدَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ صَلَاتِهِ سَجْدَةً أَطَالَهَا قَالَ أَبِي فَرَفَعْتُ رَأْسِي وَإِذَا الصَّبِيُّ عَلَى ظَهْرِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ سَاجِدٌ فَرَجَعْتُ إِلَى سُجُودِي فَلَمَّا قَضَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ قَالَ النَّاسُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّكَ سَجَدْتَ بَيْنَ ظَهْرَانَيْ صَلَاتِكَ سَجْدَةً أَطَلْتَهَا حَتَّى ظَنَنَّا أَنَّهُ قَدْ حَدَثَ أَمْرٌ أَوْ أَنَّهُ يُوحَى إِلَيْكَ قَالَ كُلُّ ذَلِكَ لَمْ يَكُنْ وَلَكِنَّ ابْنِي ارْتَحَلَنِي فَكَرِهْتُ أَنْ أُعَجِّلَهُ حَتَّى يَقْضِيَ حَاجَتَه۔ (1)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عشا کی نماز کے لیے ہمارے پاس تشریف لائے، اس حال میں کہ آپ حضرت حسن یا حضرت حسین رضی اللہ عنہما کو اٹھائے ہوئے تھے، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آگے تشریف لے گئے اور انہیں بٹھا دیا، پھر آپ نے نماز کیلئے تکبیر فرمائی اور نماز ادا فرمانے لگے، اثناء نماز آپ نے طویل سجدہ فرمایا، میرے والد کہتے ہیں: میں نے سر اٹھا کر دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں ہیں اور شہزادے رضی اللہ عنہ آپ کی پشت انور پر ہیں، تو میں پھر سجدہ میں چلا گیا، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ کرام نے عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے نماز میں سجدہ اتنا دراز فرمایا کہ ہمیں اندیشہ ہوا کہ کہیں کوئی واقعہ پیش تو نہیں آیا، یا آپ پر وحی الٰہی کا نزول ہو رہا ہے، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اس طرح کی کوئی

(1)-مسند احمد: ١٦٠٣٣ حديث شداد بن الهاد، و النسائي: رقم الحديث ١١٤١

بات نہیں ہوئی سوائے یہ کہ میرا بیٹا مجھ پر سوار ہوگیا تھا، اور جب تک وہ اپنی خواہش سے نہ اترا مجھے عجلت کرنا ناپسند ہوا۔

نبی کریم ﷺ نے نہ صرف یہ کہ بچوں سے خود شفقت فرمائی بلکہ امت کو بھی اس کی تعلیم دی، اور بچوں سے مشفقانہ سلوک نہ کرنے والے کے سلسلے میں فرمایا کہ ایسا شخص عند اللہ بھی قابل رحم نہیں۔

بخاری شریف کی حدیث پاک ہے:

ان أبا هريرة رضى الله عنه قال قبل رسول الله صلى الله عليه وسلم الحسن بن على وعنده الأقرع بن حابس التميمي جالسا فقال الأقرع: إن لى عشرة من الولد ما قبلت منهم أحدا فنظر إليه رسول الله صلى الله عليه وسلم ثم قال من لا يرحم لا يرحم[1]

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ اقرع بن حابس نے دیکھا کہ آپ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کو چوم رہے ہیں، یہ دیکھ کر کہنے لگے کہ حضور! میرے دس بچے ہیں، میں نے کبھی کسی کو نہیں چوما، آپ نے فرمایا: جو شخص رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ بچوں پر اس قدر شفیق ومہربان تھے کہ ان کا رونا آپ کو بے چین کر دیتا تھا، آپ بے قرار ہو جاتے، ان کی تکلیف آپ کے لیے ناقابل برداشت ہوتی۔ حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يصلى وهو حامل أمامة بنت زينب بنت رسول الله صلى الله عليه وسلم ولأبى العاص بن ربيعة بن عبد شمس، فإذا سجد وضعها، وإذا قام حملها.[2]

---

(1)-البخاری: کتاب الادب، باب رحمۃ الولد وتقبیلہ ومعانقتہ، ومسلم کتاب، باب رحمتہ بالصبیان والعیال، وابو داؤد: رقم الحدیث ۵۲۱۸، والترمذی رقم الحدیث ۱۹۱۱

(2)-البخاری: کتاب ابواب السترۃ المصلی، باب اذا حمل جاریۃ علیٰ عنقہ فی الصلاۃ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امامہ بنت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (بعض اوقات) نماز پڑھتے وقت اٹھائے ہوتے تھے۔ ابوالعاص بن ربیعہ بن عبد شمس کی حدیث میں ہے کہ سجدہ میں جاتے تو اتار دیتے اور جب قیام فرماتے تو اٹھا لیتے۔

نماز ایک اہم ترین عبادت ہے، مصطفیٰ جان رحمت ﷺ حالت نماز میں ہیں، اس حالت میں بھی بچوں پر شفقت کا خیال رکھا جا رہا ہے، انہیں حالت قیام میں اٹھا کر ان کے لیے سکون وطمانیت کا سامان فراہم کر رہے ہیں، یہیں تک محدود نہیں سیرت نبوی میں ایسے شواہد موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بچوں کی خاطر کبھی اپنی نماز مختصر فرمادی تو کبھی ان کے لیے اپنا سجدہ طویل فرمادیا، بچوں پر رحم وکرم اور شفقت ومہربانی کے یہ جلوے صرف سیرت نبوی ہی کا حصہ ہیں۔

عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: "إِنِّي لَأَدْخُلُ فِي الصَّلاَةِ وَأَنَا أُرِيدُ إِطَالَتَهَا، فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلاَتِي مِمَّا أَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ أُمِّهِ مِنْ بُكَائِهِ.(1)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نماز میں ہوتا ہوں اور نماز کو طویل کرنا چاہتا ہوں لیکن میں بچوں کا رونا سنتا ہوں تو اپنی نماز مختصر کر دیتا ہوں کیوں کہ مجھے معلوم ہے کہ بچے کا شدت سے رونا اپنی ماں کو نہ پانے کی وجہ سے ہے۔ (یعنی میں ان کی رعایت کرتے ہوئے اپنی نماز مختصر کر دیتا ہوں)

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام تر مشغولیات ومصروفیات کے باوجود صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی اولاد کے ساتھ نرمی، محبت، انسیت اور الفت کا معاملہ فرماتے، انھیں خوش کرنے کی ترکیبیں اپناتے، ان کے پرندوں اور کھلونوں کے بارے میں استفسار کرتے، ان سے مزاح فرماتے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

(1)-البخاری: کتاب الجماعة والامامة، باب من إخف الصلاة عند بكاء الصبي

كان رسول الله - صلى الله عليه وسلم - يدخل علينا ولي أخ صغير يُكنى أبا عُمير، وكان له نغر يلعب به، فمات فدخل عليه النبي (صلى الله عليه وسلم) ذات يوم فرآه حزينًا، فقال: ما شأنه؟ قالوا: مات نغره، فقال: يا أبا عمير ما فعل النغير[1]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا ایک چھوٹا بھائی تھا، اس کا نام ابو عمیر تھا، (اس کے پاس ایک چڑیا تھی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ابو عمیر سے فرمانے لگے: "يَا أَبَا عُمَيْر! مَا فَعَلَ النُّغَيْر؟" یعنی اے ابو عمیر تمھاری چڑیا کیا ہوئی؟۔

ہم صرف اپنے ہی بچوں سے محبت کرتے ہیں؛ آج کی مصروف دنیا میں دوسروں کے بچوں سے محبت یکسر ناپید ہوگئی ہے، آپ نے اپنے اخلاق کریمانہ کے ذریعہ ہمیں یہ درس دیا کہ بچے اپنے ہوں یا دوسروں کے بہر حال وہ شفقت و محبت کے مستحق ہیں، ان کے ساتھ ہر حال میں لاڈ و پیار کا برتاؤ ہونا چاہیے، یہی وجہ ہے کہ جہاں آپ نے اپنے بچوں سے محبت و شفقت کا اظہار فرمایا، وہیں دیگر صحابہ کرام کی اولاد پر بھی نگاہِ شفقت ڈالی۔

حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی عادتِ طیبہ تھی کہ کسی کے گھر بھی ولادت ہوتی تو اس کو آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آتے، آپ بچے کو لیتے، اسے چومتے اس کے لیے برکت کی دعا فرماتے۔

ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے گھر ایک لڑکا تولد ہوا تو میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاشانہ اقدس پر حاضر ہوا، آپ نے اس کا نام ابراہیم رکھا، کھجور سے اس کی تحنیک (گھٹی) فرمائی، اور اس بچے کے لیے برکت کی

(1)-البخاري: كتاب الادب، باب الكنية للصبي وقبل ان يولد للرجل

دعا فرمائی۔ [1]

بچوں پر شفقت ورحمت کے یہ واقعات بھی ملاحظہ فرمائیں:

ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ام خالد کو بلایا، بذاتِ خود اس لڑکی کو خصوصی قمیص پہنائی، اور فرمایا: اس وقت تک پہنو کہ یہ پُرانی ہو جائے۔ [2]

ایک دفعہ آپ نے ایک بچے کو گود میں اٹھالیا، بچے نے کپڑے پر پیشاب کردیا، آپ نے اس پر پانی بہاکر صاف کرلیا۔ [3]

مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک کا یہ گوشہ بھی ملاحظہ فرمائیں اور شفقت ومحبت، عدل وانصاف کا یہ اعلیٰ نمونہ دیکھیں:

عن سهل بن سعد. رضى الله عنه. قال أتى رسول الله صلى الله عليه وسلم بقدح فشرب وعن يمينه غلام، هو أحدث القوم، والأشياخ عن يساره قال " يا غلام أتأذن لي أن أعطي الأشياخ ". فقال ما كنت لأوثر بنصيبي منك أحدا يا رسول الله. فأعطاه إياه. [4]

سہل بن سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں پینے کی کوئی چیز لائی گئی، آپ نے اسے نوش فرمایا، اس کے بعد آپ نے دیکھا کہ آپ کی دائیں جانب ایک بچہ ہے، اور بائیں جانب صحابہ کرام ہیں، آپ نے اس بچے سے اجازت چاہی کہ اگر تم اجازت دو تو میں یہ مشروب ان بڑے حضرات کو عنایت کروں، اس بچے نے کہا، ہرگز نہیں، قسم بخدا میں (آپ کے تبرک میں) اپنے حق پر کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا، یہ سنتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ اسے تھمادیا۔

(1)-البخاری: باب تسمیۃ المولود
(2)-البخاری: باب الخمیصۃ السوداء
(3)-البخاری: باب وضع الصبی فی الحجر
(4)-البخاری: باب من رأی أن صاحب الحوض الخ

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جہاں مسلمانوں کے بچوں پر شفقت فرماتے تھے وہیں آپ کی شفقت سے کفار کے بچے بھی محروم نہ تھے، آپ کی بے پایاں شفقت سے کفار کے بچے بھی بہرہ مند ہوئے، سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اُسوہ سے کفار کے بچوں کے ساتھ بھی نرمی کی تلقین کی:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

كان غلام يهودي يخدم النبي صلى الله عليه وسلم فمرض، فأتاه النبي صلى الله عليه وسلم يعوده، فقعد عند رأسه فقال له " أسلم ". فنظر إلى أبيه وهو عنده فقال له أطع أبا القاسم صلى الله عليه وسلم. فأسلم، فخرج النبي صلى الله عليه وسلم وهو يقول " الحمد لله الذي أنقذه من النار ".[1]

انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ایک یہودی لڑکا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا، ایک دن وہ بیمار ہو گیا۔ آپ اس کی عیادت فرمانے کے لیے تشریف لائے اور اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ مسلمان ہو جا۔ اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، باپ وہیں موجود تھا۔ اس نے کہا کہ (کیا مضائقہ ہے) ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کہتے ہیں مان لے۔ چنانچہ وہ بچہ اسلام لے آیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو آپ نے فرمایا کہ شکر ہے اللہ پاک کا جس نے اس بچے کو جہنم سے بچا لیا۔

بچوں کے ساتھ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفقت ورحمت کا ایک اظہار یہ بھی تھا کہ انہیں ایسے کاموں میں شامل نہیں فرماتے جو ان کی طاقت سے باہر ہوں، جنگِ اُحد کے موقع پر چند بچوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر جنگ میں شرکت کا ارادہ ظاہر کیا، لیکن رحمتِ عالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ان بچوں کو ان کی صغر سنی کی وجہ سے منع فرما دیا، ان بچوں میں حضرت عبداللہ بن عمر بن خطاب، اسامہ بن زید، اسید بن ظہیر، زید بن ثابت، زید ابن ارقم، عرابۃ بن اوس، عمرو بن حزم، ابوسعید خدری اور سعد بن حبہ رضی

(1)-البخاري : باب إذا أسلم الصبي فمات

اللہ تعالیٰ عنھم بھی شامل تھے۔[1]

موجودہ زمانے میں متعدّد حکومتوں میں بڑوں کے ساتھ چھوٹے بچوں کو بھی جنگی سرگرمیوں میں حصہ لینے پر مجبور کیا جاتا ہے، ایک اندازے کے مطابق متعدّد حکومتوں میں تین لاکھ سے بھی زائد نو خیز بچوں کو جنگی مشقوں کے ساتھ محاذ میں بھی حصہ لینے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔[2]

بچوں کے ساتھ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشفقانہ برتاؤ اور حد درجہ رحم وکرم کی وجہ سے بچے آپ پر جان نچھاور کرتے، آپ کے ارد گرد منڈلاتے، آپ جب کبھی سفر پر تشریف لے جاتے تو واپسی پر بچے آپ کے استقبال کے لیے آبادی سے باہر آجاتے، آپ بھی ان بچوں کو محبت سے اپنی سواری میں سوار فرما لیتے، حضرت جعفر بن ابی طالب کی روایت ہے:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلَّم إذا قَدِم من سفرٍ تلقى بالصبيان من أهل بيته، وإنه قدم مرَّةً من سفره فسبق بي إليه، فحملني بين يديه، ثم جِيءَ بأحد ابني فاطمة رضي الله عنها إما الحسن وإما الحسين فأردفه خلفه، فدخلنا المدينة ثلاثةً على دابّة۔[3]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ جب کسی سفر سے واپس ہوتے تو آپ کے گھر کے بچے آپ سے ملاقات کرتے، ایک بار آپ ایک سفر سے آئے، میں آپ سے ملنے کے لیے پہنچا، آپ نے مجھے اپنے سامنے بٹھایا، پھر حضرت فاطمہ کے ایک صاحب زادے آئے، آپ نے انہیں پیچھے بٹھالیا، پھر ہم تینوں ایک سواری پر بیٹھے ہوئے مدینہ میں داخل ہوئے۔

فتح مکہ کے موقع پر جب آپ پورے لاؤ ولشکر کے ساتھ مکہ شریف میں داخل ہوئے تو

---

(1)-الرحیق المختوم: ص، ۲۲۸

(2)-تقریر الحالة الاجتماعية الصادرة عن الامم المتحدة ۲۰۰۵م، ص: ۱۲۱.

(3)-مسلم: کتاب الفضائل، باب فضائل عبد اللہ بن جعفر

بچوں نے بڑھ کر آپ کا استقبال کیا، لشکر کی بھیڑ بھاڑ اور مجمع کی کثرت کے باوجود آپ نے بچوں پر شفقت کا جیسا مظاہرہ فرمایا اس کی مثال نہیں مل سکتی، حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

لما قدم النبی صلی الله علیه وسلم مکة استقبلته أغیلمة بنی عبد المطلب، فحمل واحدا بین یدیه وآخر خلفه.(1)

جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ تشریف لائے تو بنو عبد المطلب کے چند بچوں نے آپ کا استقبال کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بچے کو (اپنی سواری کے) آگے بٹھا لیا اور دوسرے کو پیچھے۔

مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی سیرت پاک میں بچوں کے ساتھ شفقت و محبت کے چند نمونے آپ نے ملاحظہ فرمائے ، اب آئیے بچیوں پر رحمت عالم ﷺ کے رحم وکرم کے جلووں کا بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔

زمانۂ جاہلیت میں عرب لڑکی کی پیدائش کو اپنے لیے عار سمجھتے تھے، بچیوں کی پیدائش سے پورا گھر ماتم کدہ بن جاتا تھا، باپ کا سر شرم سے جھک جاتا، خاندان کے لوگ بچیوں کی پیدائش پر غم مناتے تھے، سماج میں نہ ان کی کوئی حیثیت تھی اور نہ کوئی حق، مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے لڑکیوں کے حقوق متعیّن کیے، ان کے اکرام کی تعلیم دی، ان کی تربیت پر توجہ کی تلقین فرمائی، فرمان رسول ﷺ کے مطابق بیٹیاں باعث خیر وبرکت ہوا کرتی ہیں، سرکار نے ان سے خاص طور سے محبت کرنے اور ان پر اپنی شفقتیں نچھاور کرنے کا حکم دیا، ان کی پرورش پر جنت کی بشارت سنائی:

آپ نے ارشاد فرمایا:

من عال جاریتین حتیٰ تبلغا، جاء یوم القیامة انا وهو، وضم اصابعه(2)

---

(1)-البخاری: کتاب العمرة، باب استقبال الحاج القادمین و الثلاثة علی الدابة

(2)-مسلم: ۲٦۳۱ کتاب البر و الصلة باب فضل الإحسان إلی البنات.

یعنی جس نے دو لڑکیوں کی بالغ ہونے تک پرورش کی، قیامت کے دن میں اور وہ ایک ساتھ ہونگے، پھر آپ نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک ساتھ ملایا۔

مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کے رحم وکرم کی یہ بارش عام بچوں کے ساتھ تھی تو یتیم بچوں کے ساتھ آپ کی شفقت و محبت کس قدر رہی ہوگی اس کا صرف اندازہ ہی کیا جاسکتا ہے، یہاں یتیم بچوں کے تعلق سے آپ کے چند ارشادات نقل کیے جاتے ہیں جن سے آپ کی شفقت و محبت کا اندازہ لگانا مشکل نہ ہوگا۔

قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم: أنا و كافل اليتيم فى الجنة هكذا...و أشار بالسبابة و الوسطى، و فرج بينهما شيئا.(1)

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں اس طرح ہوں گے۔۔۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی سے اشارہ فرمایا اور دونوں کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رکھا۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

والذى بعثنى بالحق! لا يعذب الله يوم القيامة من رحم اليتيم، ولان له فى الكلام، و رحم يُتْمه و ضَعْفَه، ولم يتطاول على جاره بفضل ما آتاه الله، و قال: يا أمة محمد! والذى بعثنى بالحق! لا يقبل الله يوم القيامة صدقة من رجل وله قرابة محتاجون إلى صدقته و يصرفها إلى غيرهم، والذى نفسى بيده! لا ينظر الله إليه يوم القيامة.(2)

ترجمہ: قسم ہے اُس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اُس شخص کو عذاب نہیں دے گا جس نے یتیم پر شفقت کی، اس کے ساتھ

(1)-بخاري: كتاب الطلاق، باب العان

(2)-طبراني، المعجم الاوسط، 8: 346، رقم: 8828

نرمی سے گفتگو کی، اور معاشرے کے محتاجوں و کمزوروں پر رحم کیا، اور جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہونے والی عطا کی وجہ سے اپنے پڑوسی پر ظلم نہ کیا۔ پھر فرمایا: اے اُمتِ محمدیہ! قسم ہے اُس ذات کی جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا! اللہ تعالیٰ روزِ قیامت اُس شخص کی طرف سے صدقہ قبول نہیں کرے گا جس نے غیروں پر صدقہ کیا حالانکہ اُس کے اپنے رشتہ دار اُس کے صدقہ کے محتاج تھے۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے! اللہ تبارک و تعالیٰ روزِ قیامت اُس شخص کی طرف نظرِ رحمت نہیں فرمائے گا۔"

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خير بيت في المسلمين بيت فيه يتيم يحسن إليه، و شرّ بيت في المسلمين بيت فيه يتيم يساء إليه.[1]

"مسلمانوں میں سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ نیک سلوک ہو اور بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم ہو اور اس کے ساتھ برا سلوک ہو۔"

ایک شخص رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کی بارگاہ میں اپنی سخت دلی اور قساوت قلبی کی شکایت کرتے ہوئے حاضر ہوا، رحمت عالم ﷺ نے اس سے فرمایا:

أَتُحِبُّ أَنْ يَلِينَ قَلْبُكَ وَتُدْرِكَ حَاجَتَكَ . قَالَ : نَعَمْ . قَالَ : ارْحَمِ الْيَتِيمَ وَامْسَحْ بِرَأْسِهِ وَأَطْعِمْهُ مِنْ طَعَامِكَ يَلِنْ قَلْبُكَ وَتُدْرِكْ حَاجَتَكَ .[2]

کیا تم چاہتے ہو کہ تمھارا دل نرم ہو جائے، اور تم اپنی مراد پا جاؤ، یتیموں پر رحم کرو، ان پر دست شفقت پھیرو، انہیں اپنے کھانے میں سے کھلاؤ، تمھارا دل نرم ہو جائے گا، اور تم بامراد ہو جاؤ گے۔

(1)-ابن ماجه، السنن، كتاب الأدب، باب حق اليتيم، 2 : 1213، رقم : 3679

(2)-رواه الطبراني، الترغيب والترهيب ٢ ٬٦٧٦

رسول کریم ﷺ نے جہاں مسلمانوں کو یتیموں کے ساتھ شفقت و محبت کا حکم دیا ہے وہیں ان پر ظلم وستم کی سخت ممانعت فرمائی ہے اور اسے ہلاکت کا باعث قرار دیا ہے۔

حضرت ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

عن النبی صلی الله علیه وسلم قال " اجتنبوا السبع الموبقات " قالوا یا رسول الله، وما هن قال " الشرك بالله، والسحر، وقتل النفس التی حرم الله إلا بالحق، وأكل الربا، وأكل مال الیتیم، والتولی یوم الزحف، وقذف المحصنات المؤمنات الغافلات.[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ' سات گناہوں سے جو تباہ کر دینے والے ہیں ' بچتے رہو۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! وہ کون سے گناہ ہیں؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، جادو کرنا، کسی کی ناحق جان لینا جسے اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے، سود کھانا، یتیم کا مال کھانا، لڑائی سے بھاگ جانا، پاک دامن بھولی بھالی ایمان والی پر تہمت لگانا۔

نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے یتیم بچوں کو اپنی شفقتوں سے نوازنے کے ساتھ ان کے معاشی استحکام کے لیے بھی واضح احکام صادر فرمائے، وہ لوگ جن کی کفالت میں یتیم بچے ہوں، انہیں حکم دیا کہ یتیموں کے مال میں اضافے کے لیے اسے تجارت میں لگاؤ تاکہ یتیموں کا گزارا ممکن ہو، انہیں صدقات وخیرات کا محتاج نہ ہونا پڑے، ارشاد فرمایا:

(1)-البخاری: کتاب الوصایا، باب قول الله عزوجل :ان الذین یاکلون اموال الیتمی ظلما

الا من ولی یتیما له مال ، فلیتجر فیه ولا یترکه حتی تأکله الصدقه[1]

ترجمہ: یعنی تم میں سے جس کی کفالت میں کوئی یتیم اور اس کا کچھ مال ہو، تو اس میں تجارت کرو۔ اسے بے کار نہ چھوڑو کہ صدقہ اس کو کھالے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچوں کے ساتھ جو شفقت اور محبت پر مبنی سلوک اختیار فرمایا وہ معاشرے میں بچوں کے مقام و مرتبہ کا عکاس بھی ہے اور ہمارے لیے راہِ عمل بھی، اللہ تعالیٰ ہمیں سیرت مصطفیٰ جانِ رحمت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(1)-الترمذی (٦٤١) ومالك فی الموطا بروایة یحی اللیثی، والبیهقی فی سننه الکبریٰ

عورتوں پر رحم وکرم

عورت کو معاشرے کا کمزور اور ناتواں حصہ سمجھا جاتا ہے ، ان کے صنفی عوارض ، جسمانی کمزوری اور نرم دلی ، انہیں مردوں کے مقابلے میں ہر ہر قدم پر محرومی کا احساس دلاتی ہے ، ان کا کاروانِ حیات مردوں کے رحم وکرم کے حوالے ہوتا ہے ۔ دوسری طرف عورت کے اندر اللہ تعالیٰ نے ایسی عظمت ودیعت فرمائی جس کی وجہ سے وہ ایک مرد کی کامیاب زندگی کا لازمی حصہ قرار پاتی ہے ، مرد کا چین وسکون ، خوش گوار زندگی کا لطف انہیں سے وابستہ ہے ، یہ قدرت کا ایک کرشمہ ہے کہ عورت کی کمزوری کے ساتھ ساتھ اس کے اندر مردوں کے لیے ایک عجیب کشش بھی رکھی ہے تاکہ مرد وعورت کی زندگی کا توازن برقرار رہے اور عورت اپنی فطری کمزوری کے باوجود مرد کی زندگی میں ایک ضرورت بن کر سماج میں عزت وآبرو کی زندگی گزار سکے ۔ اسلام نے عورت کو مکمل طور پر انسانی زندگی کا لازمی حصہ قرار دے کر اس کی عظمت ورفعت کا اعلان کیا ، اس کے حقوق متعیّن کیے ، مصطفی جان رحمت ﷺ نے اپنی سیرت طیبہ کے ذریعہ انسانوں کو عورت کے ساتھ ہمدردی ، محبت اور شفقت کا درس دیا ۔

آیئے مصطفی جانِ رحمت ﷺ کی سیرت پاک کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ رحمتِ عالم ﷺ نے کس طرح عورتوں پر شفقت ورحمت کی بارش کی ہے اور زندگی کے مختلف موڑ پر ان کے ساتھ کس طرح حسن اخلاق کا برتاؤ فرمایا ہے اور اپنی امت کو کس طرح ان کے سلسلے میں تاکید فرمائی ۔ حجۃ الوداع کے موقع پر ہزاروں کا مجمع ہے ، آپ اپنے جاں نثار صحابہ سے مخاطب ہیں ، صحابہ گوش برآواز ہیں ، آپ اس اہم موقع پر نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمارہے ہیں :

واستوصوا بالنساء خیرا ، فانہن خلقن من ضلع وان اعوج شئی فی الضلع اعلاہ فان ذہبت تقیمہ کسرتہ وان ترکتہ لم یزل اوعوج فاستوصوا بالنساء

خیرا [1]

ترجمہ: عورتوں کے ساتھ نیکی کرنے کے بارے میں میری وصیت قبول کرلو، عورتیں پسلی سے پیدا کی گئی ہیں، اور سب سے اوپر والی پسلی سب سے زیادہ ٹیڑھی ہوتی ہے اگر تم اسے سیدھا کرنے چلو گے تو توڑ ڈالو گے اور اس کے حال پر چھوڑے رہو گے تب بھی ہمیشہ ٹیڑھی رہے گی۔ پس عورتوں کے ساتھ نیکی کرنے کے بارے میں میری وصیت قبول کرلو۔

عورت اور مرد کے درمیان آپسی ناچاقی ایک فطری بات ہے، میاں بیوی جب ایک ساتھ اپنی زندگی کے روز و شب گزارتے ہیں، اور ایک دوسرے کی ضرورتیں پوری کرتے ہیں، ایک دوسرے کے عادات واطوار کو برداشت کرتے ہیں تو بسا اوقات بیوی کی کسی عادت وخصلت کا شوہر پر ناگوار گزرنا عین ممکن ہے، سرکار اقدس ﷺ نے ایسے موقع پر بھی شوہروں کو عورتوں کے حوالے سے نصیحت فرمائی کہ عورت کی بعض خصلتوں کا ناپسندیدہ ہونا اس بات کا تقاضا نہیں کرتا ہے کہ انہیں اپنی زندگی سے دور کردیا جائے اور ان سے نفرت کو روا رکھا جائے، اس لیے کہ اس کی ایک خصلت اگر تمہیں ناپسند ہو تو بہت ساری خصلتیں ایسی ہوں گی جو تمہیں محبوب ہوں گی، اللہ کے رسول مصطفی جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لا يفرك مومن مومنة، ان كره منها خلقا رضى منها آخر [2]

ترجمہ: مومن مومنہ سے نفرت نہ کرے، اس لیے کہ اگر ایک خصلت ناپسندیدہ ہے تو دوسری محبوب ہوگی۔

یہی حکم قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا:

وَ عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّ يَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۹﴾ [1]

---

(1)-البخاری: کتاب النکاح، باب الوصاۃ بالنساس، والترمذی:۱۱۶۳، ابن ماجه۱۸۵۱.

(2)-مسلم: کتاب الرضاع، باب الوصیۃ بالنساء

ترجمہ: اور ان سے اچھا برتاؤ کرو، پھر اگر وہ تمہیں پسند نہ آئیں تو قریب ہے کہ کوئی چیز تمہیں پسند نہ ہو اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھے۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات محض فرامین کی حیثیت نہیں رکھتے، اور نہ ہی یہ اقوال محض صنف نازک کی تسکین قلب کے لیے خوب صورت جملے ہیں جن پر عمل درآمد ممکن نہیں، بلکہ آپ نے اپنی عملی زندگی میں انہیں برتا، آپ کے صحابہ نے ان پر عمل کیا، اور پوری دنیا کو یہ باور کرایا کہ عورت کے سلسلے میں مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کے ارشادات لائقِ عمل بھی اور وقوع پذیر بھی۔

حدیث پاک ہے:

استاذن ابوبکر رضی اللہ عنہ علی النبی ﷺ فسمع صوت عائشۃ رضی اللہ عنہا- ابتنہ- عالیا فلما دخل تناولھا لیلطمھا وقال الا ارکِ ترفعین صوتك علیٰ رسول اللہ ﷺ! فجعل النبی یحجزہ وخرج ابو بکر مغضبا، فقال النبی حین خرجا ابوبکر، کیف رأیتنی انقذتك من الرجل؟ فمکث ابوبکر ایاما ثم استاذن علیٰ رسول اللہ ﷺ فوجدھما قد اصطلحا، فقال لھما، ادخلانی فی سلمکما کما ادخلتما فی حربکما، فقال النبی ﷺ قد فعلنا قد فعلنا۔ (2)

ترجمہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکار دوعالم ﷺ کے کاشانہ اقدس میں حاضری کی اجازت چاہی، آپ نے اپنی صاحب زادی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی اونچی آواز سنی، آپ ان کے پاس پہنچے، قریب تھا کہ آپ انہیں طمانچہ رسید کردیں، آپ نے فرمایا کہ کیا میں نہیں دیکھ رہا ہوں کہ تم رسول اللہ ﷺ پر اپنی آواز بلند کررہی ہو، رسول کریم ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق کو اس عمل سے منع فرمایا، حضرت ابوبکر صدیق غصے کی حالت میں وہاں سے باہر نکل آئے، جب حضرت ابوبکر صدیق باہر آگئے تو آپ نے حضرت

گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ

(1)-مسلم: کتاب الرضاع، باب الوصیۃ بالنساء

(2)-ابو داؤد: ٤٩٩٩، والنسائی فی سنن الکبریٰ: ٨٤٩٥

عائشہ سے فرمایا: دیکھا تم نے کہ میں نے تمہیں ابو بکر سے کس طرح بچا لیا۔ کچھ دنوں ٹھہرنے کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضری کی اجازت حاصل کی، تو حضرت عائشہ اور نبی کریم ﷺ کو صلح کی حالت میں دیکھا اور فرمایا: اپنے صلح میں مجھے بھی شامل فرمالیں جیسا کہ اپنے جھگڑے میں شامل فرمایا، سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا: شامل کیا، شامل کیا۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ عورتوں پر باپ سے بھی زیادہ شفیق اور مہربان ہیں، خطاؤں کو در گزر کرنا، غلطیوں کو معاف کرنا آپ کی شانِ کریمی ہے۔ رحمت عالم ﷺ بڑی سے بڑی غلطی پر بھی مواخذہ نہیں فرماتے، معافی اور شفقت آپ کے اخلاق کا اہم عنصر تھا، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

أن النبي صلى الله عليه وسلم كان عند بعض نسائه، فأرسلت إحدى أمهات المؤمنين مع خادم بقصعة فيها طعام، فضربت بيدها فكسرت القصعة، فضمها وجعل فيها الطعام، وقال: (كلوا)، وحبس الرسول والقصعة حتى فرغوا، فدفع القصعة الصحيحة وحبس المكسورة[1]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات میں سے کسی ایک کے یہاں تشریف رکھتے تھے۔ امہات المؤمنین میں سے ایک نے وہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے خادم کے ہاتھ ایک پیالے میں کچھ کھانے کی چیز بھجوائی۔ انہوں نے ایک ہاتھ اس پیالے پر مارا، اور پیالہ (گر کر) ٹوٹ گیا۔ آپ نے پیالے کو جوڑا اور جو کھانے کی چیز تھی اس میں دوبارہ رکھ کر صحابہ سے فرمایا کہ کھاؤ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ لانے والے (خادم) کو روک لیا اور پیالہ بھی نہیں بھیجا۔ بلکہ جب (کھانے سے) سب فارغ ہو گئے تو دوسرا اچھا پیالہ بھجوا دیا اور ٹوٹے ہوئے کو اپنے پاس رکھ لیا۔

مصطفیٰ جان رحمت ﷺ نے عورتوں کے ساتھ حسن سلوک اور حسن

(1)-البخاری: کتاب المظالم، باب اذا کثر قصعة او شیئا لغیرہ

معاشرت کومردوں کے لیے عظمت وافتخار کی علامت قرار دیا،حدیث پاک میں فرمایا گیا:

الخلق عیال اللہ فاحب الخلق الیٰ اللہ من احسن الیٰ عیالہ (1)

خلقت اللہ کی پروردہ ہے تو مخلوق میں اللہ کے نزدیک سب سے پسندیدہ وہ ہے جو اللہ کی عیال سے اچھا سلوک کرے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: خیرکم خیر کم لا ھہ وانا خیرکم لاھلی۔ (2)

تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنے اہل وعیال کے حق میں بہتر ہو اور میں تم لوگو ں میں اپنے اہل وعیال کے معاملہ میں سب سے بہتر ہوں۔

ایک دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں:

ان اکمل المومنین ایما نا احسنھم خلقا و الطفھم باھلہ۔ (3)

سب سے کامل مومن وہ ہے جس کا اخلاق سب سے اچھا ہو اور جو اپنے اہل وعیال پر زیادہ مہربان ہو۔

اسلام نے انسانی زندگی کے تمام شعبو ں میں عورتوں کے حقوق محفوظ کر دیے اور ان کے تعلق سے دور جاہلیت کے تمام نظریات و تصورات کاقلع قمع کر دیا،عورت خواہ ماں ہویا بیٹی،بہن ہو یا بیوی بہر صورت انہیں عزت و احترام اور شفقت ومحبت کی مستحق قرار دیا،ان کی عظمت و رفعت کا

(1)-مشکوٰۃ المصابیح باب الشفقۃ والرحمۃ علیٰ الخلق

(2)-مشکوٰۃ المصابیح باب عشرۃ النساء من کتاب النکاح۔ص ۲۸۱۔ج ۲

(3)-مشکوٰۃ المصابیح باب عشرۃ النساء من کتاب النکاح،ص ۲۸۲۔ج ۲

اعتراف ان الفاظ میں کیا گیا ،حضرت عبد اللہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الدنیا کلھا متاع وخیر متاع الدنیا المرأة الصالحة [1]

یو ں تو پوری دنیا اللہ کی متاع ہے مگر دنیا کی بہترین نعمت نیک عورت ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو اپنی پسندید ہ اور محبوب چیز قراردے کرانہیں قیامت تک کے لئے لازوال فضیلت و کرامت کی سند عطا فرمادی ،ارشاد فرمایا :مجھے دنیا کی چیزوں میں عورت اور خوشبو زیا دہ پسند ہے اور میری آنکھو ں کی ٹھنڈک نماز ہے۔[2]

بچی کی پیدائش کو باعث خیر و برکت اور سبب نجات قرار دے کر ہمیشہ کے لئے ان کی زندگی کو محفوظ کر دیا ،حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے :

قال رسول اللہ صلی علیہ وسلم من عال جاریتین حتیٰ تبلغ جاء یوم القیمة انا وھو ھکذا و ضم اصابعه ،رواہ مسلم ۔[3]

جودو لڑکیوں کی پرورش کرے یہاں تک کہ جو ان ہو جا ئیں تو میں اوروہ قیامت کے دن ایسے ہوں گے اورانگلیوں کو ملایا (یعنی بہت قریب ہوں گے)

جائتنی امراة و معھا ابنتان لھا تسئلنی فلم تجد عندی غیر تمرة واحدة فاعطیتھا ایاھا فقسمتھا بین ابنتیھا فلم تأکل منھا ثم

(1)-صحیح بخاری کتاب النکاح

(2)-مسند احمد .ج۳.ص۱۲۸

(3)-مشکوٰۃ المصابیح باب البر والصلة .ص٤٢١

قامت فخرجت فدخل النبی صلی اللہ علیہ وسلم فحدثہ فقال : من ابتلی من ھذہ البنات بشئی فاحسن الیھن کن لہ سترا من النار ۔ (1)

میرے پاس ایک عورت آئی جس کے ساتھ اس کی دو لڑکیاں تھیں ، مجھ سے کچھ مانگتی تھیں ، تو اس نے میرے پاس ایک چھوہارے کے سوا کچھ نہ پایا ، میں نے اسے وہی دے دیا ، اس نے اسے اپنی لڑکیوں میں بانٹ دیا ، اس میں سے خود نہ کھایا ، پھر اٹھیں اور چلی گئیں پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ، میں نے آپ کو ماجرا سنایا تو آپ نے فرمایا : جو کوئی بیٹیوں میں مبتلا کر دیا جائے اور وہ ان سے اچھا سلوک کرے تو وہ اس کے لیے آگ سے آڑ بن جائیں گی ۔

نبی رحمت ﷺ نے نکاح کے لیے عورتوں کی رضاوخوشی کو ضروری قراردیا اور ان کی عائلی زندگی کو خوش گوار بنانے کے لیے جامع اصول متعیّن کیے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا :

لاتنکح الایم حتیٰ تستامر ولا تنکح البکر حتیٰ تستاذن (2)

بیوہ کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس کی اجازت نہ لے لی جائے اور باکرہ کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس کا اذن نہ حاصل کر لیاجائے۔

بیوہ عورت کی مدد اور ان کے راحت وسکون پہنچانے والے کے لیے جہاد اور دائمی روزے کے ثواب کا مژدہ سنایا ، ارشاد فرمایا :

الساعی علی الارملۃ والمسکین کالمجاھد فی سبیل اللہ ، واحسبہ قال وکالقائم لایفتر وکالصائم لایفطر (3)

(1)-مشکوٰۃ المصابیح باب البر والصلۃ والرحم علی الخلق .ص ٤٢١

(2)-صحیح :البخاری باب الاب وغیرہ البکر والثیب الابرضاھا کتاب النکاح

(3)-مسلم: کتاب الزھد والرقاق،اب الاحسان علی الارملۃ والمسکین

ترجمہ: بیوہ اور مسکین کے لیے جد وجہد کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے اور میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا: وہ نماز میں اس قیام کرنے والے کی طرح ہے جو تھکتا نہ ہواور اس روزہ دار کی طرح ہے جو افطار نہ کرے۔

رسول کریم ﷺ نے عورت کو سماج و معاشرے میں عزت وعظمت کی وہ بلندی عطا کی جس کی مثال دنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملتی ،لیکن جوں جوں اسلامی تعلیما ت سے دوری ہو تی گئی اسلا می معاشرہ بھی زوال پزیر ہوتا گیا ،دیگر طبقات کی طرح صنف نازک بھی بے شمار سماجی ،معاشی عائلی مسائل کا شکا ر ہو تی گئی اور آج زندگی کے ہر شعبے میں اس کا استحصال ہو رہاہے،ان پر ظلم وجبر کابازار ایک بار پھر گرم ہوگیا ہے ،یہ اسلامی تعلیمات سے دوری اور اللہ و رسول کے فرامین پر عمل پیرا نہ ہونے کا شاخسانہ ہے۔

خادموں وغلاموں پر رحم وکرم

انسانی معاشرہ انسانوں کے مختلف طبقات سے تشکیل پاتا ہے، کوئی خادم ہوتا ہے کوئی مخدوم، کوئی حاکم ہوتا ہے کوئی محکوم۔ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ ہر طبقہ انسانی کے لیے سراپا رحمت بنا کر بھیجے گئے، آپ کے اسوہ حسنہ میں انسانیت کے ہر طبقہ کے لیے راہ نمائی موجود ہے، جس سے ہر ایک مستفید ہو سکتا ہے، آپ کے رحم وکرم کے فیضان سے انسانی سماج کا کوئی بھی طبقہ محروم نہیں رہا، خادموں اور غلاموں کے حوالے سے سیرت نبوی کا مطالعہ کیا جائے تو سیرت طیبہ کا یہ زاویہ بھی رحم وکرم کے جلووں سے منور و تاباں نظر آتا ہے، سیرتِ رسول کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح انسانی سماج کے دیگر افراد کے حقوق کا تذکرہ فرمایا اور ان کے حقوق کی یاددہانی کروائی وہیں آپ نے غلاموں اور خدام کے حقوق کے تحفظ کا تاکیدی حکم دیا، آپ نے خادموں کے ساتھ نرمی کا حکم دیا، ماتحتوں کے ساتھ اخوت کی ترغیب دی اور غلاموں کے ساتھ شفقت ومحبت کا مظاہرہ کرنے کے ساتھ انہیں آزاد کرنے پر ابھارا۔

صحرائے عرب میں اسلام کی روشنی پھیلنے سے قبل عرب معاشرے میں غلاموں اور نوکروں کے ساتھ نہایت ظالمانہ سلوک کیا جاتا تھا، ان کا کوئی مقام ومرتبہ نہیں تھا، ان کی طاقت سے زیادہ ان سے کام لیا جاتا پھر بھی انہیں زندگی کے بنیادی حقوق سے محروم رکھا جاتا تھا۔ ظلم وعدوان اور عدم رواداری کا یہ رجحان نہ صرف جنگی قیدیوں کے ساتھ خاص تھا، بلکہ کبھی کبھی طاقت ور قبیلہ اپنے سے کمزور قبیلہ کو ذاتی مفاد اور عیش وآرام کے لیے غلام بنا لیتا تھا۔ راہ گیروں اور مسافروں کو بھی غلام بنائے جانے کی شہادت ملتی ہے۔ غربت وافلاس کے باعث والدین اپنی اولاد کو فروخت کر دیتے تھے، اس کے نتیجے میں وہ غلام بن جاتا تھا۔ ایک مرتبہ کسی کی گردن میں غلامی کا طوق پڑ گیا تو پھر وہ کبھی اس سے آزاد نہیں ہو سکتا تھا۔ اگر کوئی اس سے آزاد ہونے کی کوشش بھی کرتا تو اسے اتنے سخت قوانین اور کٹھن مرحلوں سے گزرنا پڑتا کہ وہ اسی میں

دب کر رہ جاتا۔ انہیں کھانا تو ملتا تھا، مگر اتنا کہ اس کا رشتہ جسم وروح سے برقرار رہ سکے، یہ غلام اور لونڈیاں چاہے زمینوں میں کام کرنے والے ہوں، چاہے گھروں کے خدمت گزار، ان سے نفرت کی جاتی تھی اور انہیں بازاروں میں بیچا جاتا تھا، معمولی سی لغزش پر انہیں سخت سے سخت سزا دی جاتی تھی۔ تمام تمدنی اور معاشرتی حقوق سے وہ محروم تھے۔ سماجی زندگی میں بھی ان کا کوئی حصہ نہ تھا۔ روم سمیت دنیا کے دوسرے تمام ملکوں کے غلام بھی مظلومی اور بے بسی کی زندگی گزارنے پر مجبور تھے۔ کہیں زیادہ تو کہیں ذرا ہلکے اور نسبتاً کم گھناؤنے رویے کا شکار تھے۔

تاریخی لحاظ سے غلاموں کی ایک نہایت دردناک تاریخ ہے اور وہ زندگی کے ہر مرحلے میں اندوہناک انجام سے دوچار ہوتے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر (sparta) کے غلاموں کی تاریخ کو لے لیجیے جو کہ بزعم خود ایک متمدن قوم تھی، کتاب "روح القوانین" کے مصنف کے بقول (sparta) کے غلام اس قدر مصیبت زدہ تھے کہ ان میں سے کوئی بھی غلام کسی فرد واحد کا غلام نہیں ہوتا تھا بلکہ تمام معاشرے کا غلام ہوتا تھا اور ہر شخص کسی بھی قانونی خوف کے بغیر اپنے یا کسی دوسرے کے غلام کو جتنا چاہتا دُکھ اور ایذائیں پہنچاتا، در حقیقت اس معاشرے کے غلاموں کی زندگی حیوانات سے بھی بدتر تھی۔

جب کسی پسماندہ ملک سے غلاموں کا شکار کیا جاتا تھا، شکار کے وقت سے لے کر منڈیوں تک لانے کے عرصے میں بہت سے غلام مر جایا کرتے تھے، جو بچ جاتے تھے وہ لالچی بردہ فروشوں کی کمائی کا ذریعہ بنتے تھے۔ وہ اپنے مالک کے حکم کے مطابق کام بجالاتے تھے جب وہ بوڑھے ہو جاتے یا کسی جان لیوا بیماری کا شکار ہو جاتے تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا اور وہ تڑپ تڑپ کر مر جاتے لہذا تاریخی طور پر غلامی کا نام اپنے ساتھ ہولناک جرائم کی ایک تفصیلی داستان رکھتا ہے۔

اسلام نے غلاموں کے حقوق کے احیا کے لیے وسیع اقدامات کیے ہیں تاکہ انسانی شخصیّت کے لحاظ سے آزاد اور غلام کا فرق مٹ جائے، اسی لیے اسلام نے انسانی شخصیّت کا معیار تقوٰی قرار دیا ہے، اسی لیے غلاموں کو بھی اجازت دی گئی کہ ہر قسم کے اہم معاشرتی مناصب حتیٰ کہ

قاضی جیسے نہایت اہم عہدے پر بھی فائز ہو سکتے ہیں، عصر رسالت مآب ﷺ میں لشکر کی سپہ سالاری سے لے کر دوسرے اہم ترین اور حساس ترین عہدوں پر غلام یا آزاد کردہ غلام فائز رہے ہیں۔

رسول اعظم ﷺ کے بہت سے صحابی یا تو غلام تھے یا آزاد کردہ غلام تھے اور ان میں سے بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جو بزرگانِ اسلام کے معاون و مددگار کی حیثیت سے کام کرتے تھے۔

غزوہ بنی مصطلق کے بعد رسول پاک ﷺ نے اس قبیلے کی ایک آزاد شدہ کنیز سے نکاح فرمایا اور یہ بات اس قبیلے کے تمام گرفتار شدہ قیدیوں کی آزادی کا بہانہ بن گئی۔

احادیث نبویہ میں غلاموں کے ساتھ نرمی برتنے اور ان کے ساتھ مدارات اور حسنِ سلوک کی بہت زیادہ تاکید کی گئی ہے، حتّٰی کہ انہیں اپنے آقاؤں کے ساتھ زندگی میں حصے دار بھی بنایا گیا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں۔

عن المعرور، قال لقيت أبا ذر بالربذة، وعليه حلة، وعلى غلامه حلة، فسألته عن ذلك، فقال إني ساببت رجلا، فعيرته بأمه، فقال لي النبي صلى الله عليه وسلم: يا أبا ذر أعيرته بأمه إنك امرؤ فيك جاهلية، إخوانكم خولكم، جعلهم الله تحت أيديكم، فمن كان أخوه تحت يده فليطعمه مما يأكل، وليلبسه مما يلبس، ولا تكلفوهم ما يغلبهم، فإن كلفتموهم فأعينوهم (1).

حضرت معرور کہتے ہیں کہ میں ابوذر سے ربذہ میں ملا وہ ایک جوڑا پہنے ہوئے تھے اور ان کا غلام بھی جوڑا پہنے ہوئے تھا۔ میں نے اس کا سبب دریافت کیا تو کہنے لگے کہ میں نے ایک شخص یعنی غلام کو برا بھلا کہا تھا اور اس کی ماں کے ذریعہ عار دلائی (یعنی گالی دی) تو

(1)-صحیح :البخاری :کتاب الایمان ، باب المعاصی من امر الجاھلیة، ولایکفر صاحبھا بارتکابھا الا بالشرك

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معلوم کر کے مجھ سے فرمایا اے ابوذر !تونے اسے ماں کے نام سے غیرت دلائی، بے شک تجھ میں ابھی کچھ جاہلیت کا اثر باقی ہے۔ (یاد رکھو) ماتحت لوگ تمھارے بھائی ہیں۔ اللہ نے (اپنی کسی مصلحت کی بنا پر) انہیں تمھارے قبضے میں دے رکھا ہے توجس کے ماتحت اس کا کوئی بھائی ہو تو اس کو بھی وہی کھلائے جو خود کھاتا ہے اور وہی کپڑا اسے پہنائے جو خود پہنتا ہے اور اس کو اتنے کام کی تکلیف نہ دو کہ اس کے لیے مشکل ہو جائے اور اگر کوئی سخت کام ڈالو تو تم خود بھی ان کی مدد کرو۔

مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی رحمتِ تامہ کا اثر ہے کہ آپ نے خادم اور غلام کو ماتحتوں کی صف سے اٹھا کر بھائی کے درجے تک پہنچادیا کہ جس طرح ایک انسان اپنے حقیقی بھائی کے ساتھ غلط سلوک کا تصور تک نہیں کر سکتا، اسی طرح اپنے غلام اور خادم کو بھائی ہی تصور کرے، صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم دربارِ نبوی سے کوئی بات سنتے تو فوراً اس کا اثر قبول کرتے ہوئے عمل درآمد فرماتے، حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ جو مقامِ ربذہ میں رہا کرتے تھے، انہوں نے رسول کریم ﷺ کا یہی فرمان سن رکھا تھا، انہوں نے جو اچھا کپڑا پہنا تھا، وہی کپڑا اپنے غلاموں کو بھی پہنا دیا تھا، معرور بن سوید نے ابوذر سے وجہ دریافت کی تو ابوذر رضی اللہ عنہ نے آپ کا ارشاد گرامی نقل کیا۔

اس حدیث پاک میں آقائے کریم ﷺ نے غلاموں کے سلسلے میں فرمایا اے مسلمانو! غلام بھی تمھارے معاشرے کا ایک حصہ ہیں، بلکہ وہ تمھارے بھائی ہیں، ان کے ساتھ محبت وشفقت کا معاملہ کیا جائے، ان کے کھانے پینے، اوڑھنے پہننے اور دیگر معاملات زندگی میں جذبہ اخوت کا اثر ظاہر ہونا چاہیے۔ زمانہ ایک حال پر نہیں رہتا، فقر وغنا اور آزادی وغلامی کسی خاص قوم کے ساتھ مختص نہیں بلکہ زمانہ کے انقلابات فقیر کو امیر وقت اور امیر کو سائل بنادیتے ہیں، خادم آقا بن جاتا ہے اور آقا دریوزہ گری پر مجبور ہوتا ہے۔ آج اللہ تعالیٰ نے اگر تمہیں خوش حال کیا ہے تو تمہیں اترانا اور سر کشی پر آمادہ نہیں ہونا چاہیے، اور اپنے زیر دستوں کو حقیر وکمتر سمجھ کر ان کے ساتھ نازیبا سلوک

نہیں کرنا چاہیے، بلکہ تم اپنے بھائی کے ساتھ جس طرح کا سلوک پسند کرتے ہو اسی طرح کا سلوک تمہیں بھی اپنے ماتحتوں کے ساتھ کرنا چاہیے۔

نبی رحمت ﷺ نے غلاموں اور خادموں کو جسمانی اذیت پہنچانے اور انہیں اپنے غصہ وغضب کا شکار بنانے سے منع فرمایا، مسلم شریف کی حدیث پاک ہے:

من لطم مملوکا او ضربه فکفارته ان یعتقه [1]

ترجمہ: جو شخص اپنے غلام کو تھپڑ مارے یا اس کو پیٹے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس کو آزاد کردے۔

نبی کریم ﷺ علیہ وسلم کا ہر ارشاد صحابہ کے لیے نمونہ عمل ہوا کرتا تھا، آپ کے ہر فرمان پر عمل صحابہ کرام کے لیے دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب تھا، یہ حضرت ابو مسعود انصاری ہیں، فرماتے ہیں:

کنت اضرب غلاما لی، فسمعت من خلفی صوتا، اعلم ابا مسعود: الله اقدر علیك منك علیه ، فالتفت فاذاهو رسول الله ﷺ، فقلت :یارسول الله!هو حرلوجه الله، فقال : اما لولم تفعل للفحتك النار، اولمستك النار۔ [2]

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: ایک دفعہ میں اپنے غلام کو مار رہا تھا، میں نے اپنے پیچھے ایک آواز سنی، جان لو ابو مسعود! اللہ تم پر اس غلام سے زیادہ قادر ہے۔ اس آواز کی جانب متوجہ ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موجود تھے، ابو مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا: یارسول اللہ! یہ غلام اللہ کے لیے آزاد ہے، آپ نے فرمایا: ابو مسعود! اگر تم اس غلام کو آزاد نہ کرتے تو تمہیں آگ چھو لیتی۔

اسی طرح کا واقعہ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ پیش آیا، ایک

(1)-مسلم: کتاب الایمان، باب صحبة المالیك وکفارة من لطم عبده

(2)-مسلم: کتاب الایمان، باب صحبة المالیك وکفارة من لطم عبده

دفعہ انہوں نے اپنے غلام کو مارا، پھر اس کے بعد غلام کو طلب کیا، اس کی پشت پر مار کے اثرات دیکھے، اس کے بعد تکلیف کی بابت دریافت کیا، پھر آزاد کردیا، اور فرمایا کہ رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

من ضرب غلاما له حدا لم یأته او لطمه، فان كفارته ان يعتقه (1)

ترجمہ: جس شخص نے اپنے غلام کو بے قصور پیٹا یا اس کو تھپڑ مارا اس کا کفارہ یہ ہے وہ اس کو آزاد کردے۔

در اصل رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل اور اپنے اقوال وارشادات کے ذریعہ غلاموں کے ساتھ جس مشفقانہ برتاؤ کا درس دیا تھا وہ صحابہ کرام کے قلوب تک مکمل طور پر منتقل ہوچکا تھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسے پورے جذبہ واخلاص کے ساتھ عملی جامہ پہنایا۔

نوکر اور خادم جو صبح وشام اپنے مالک کی خدمت میں حاضر رہتا ہے، ان سے غفلت اور کوتاہی کا صدور فطری بات ہے، ایسے موقع پر ان کی غلطیوں کو نظر انداز کر جانا اور خوش دلی کے ساتھ معاف کردینا انسانیت کا تقاضا ہے، لیکن آج اپنے خادموں اور ماتحتوں پر ہم چھوٹی چھوٹی باتوں کی وجہ سے ناراض ہوکر انہیں ذہنی کوفت میں مبتلا کر ڈالتے ہیں اور سخت وسست کہنے سے نہیں چوکتے، تقریبا ہر معاشرے میں یہ بات عام ہے، اس سلسلے میں سرکار دوعالم ﷺ نے ہمیں واضح درس دیا کہ اپنے ماتحتوں کی غلطیوں کو معاف کرنے کے ساتھ ساتھ انہیں ایسے الفاظ سے نہ بلاؤ جو ان کے لیے تکلیف کا باعث ہوں، آپ نے ارشاد فرمایا:

لا يقولن احدكم : عبدی وامتی ، كلكم عبيدالله ، وكل نسائكم ، اماء الله، ولكن ليقل: غلامي وجاريتي، وفتاي وفتاتي (2)

---

(1)-مسلم: کتاب الایمان، باب صحبة المماليك وكفارة من لطم عبده

(2)-البخاری: کتاب العتق، باب كراهية التطاول على الرقيق وقعله: عبدی وامتی

ترجمہ: تم میں کوئی بھی اپنے غلام وباندی کو عبدی، امتی نہ کہے، کیوں کہ تم سب ہی اللہ کے بندے ہو اور تمام عورتیں اللہ کی بندیاں ہیں، لیکن تم اپنے غلاموں کو غلامی، باندیوں کو فتاتی کہہ سکتے ہو۔

ایک صحابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر دریافت کرنے لگے، خادم کو ہم کتنی دفعہ معاف کریں؟ آپ خاموش رہے، سوال دہرایا گیا تو پھر خاموش رہے، جب تیسری دفعہ سوال ہوا تو آپ نے فرمایا: روزانہ ستر دفعہ معاف کیا کرو۔ [1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

ماضرب رسول الله ﷺ قط بيده، ولا امرأة، ولا خادما، الا ان يجاهد في سبيل الله [2]

ترجمہ: رسول کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ سے کبھی کسی عورت اور خادم کو نہیں مارا مگر یہ کہ اللہ کی راہ میں جہاد فرمایا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خادموں کو دیگر نوازشات کے ساتھ دعاؤں سے بھی نوازتے تھے، آپ کی دعائیں دنیا کی تمام نعمتوں کے حصول سے زیادہ اہم ہوتیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ آپ کے خادم خاص رہے، آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو تین دعائیں دیں، عمر میں، مال میں اور اولاد میں برکت کی۔ اس دعا کا اثر یہ ہوا کہ خود حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، میں نے طویل عمر پائی، مال میں برکت یوں ہوئی کہ مدینہ میں سب کے باغ سال میں ایک دفعہ پھل دیتے تو میرے باغ دو دفعہ دیا کرتے، آپ کی اولاد میں برکت ایسی ہوئی کہ صلبی اولاد کی تعداد علامہ شمس الدین ذہبی [3] کی صراحت کے مطابق 106

(1)-ابو داؤد: 5164، باب في حق المملوك

(2)-مسلم: كتاب الفضائل

(3)-حافظ شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان بن قایماز ذھبی دمشقی ترکمانی شافعی ایک مشہور عرب محدث اور مؤرخ تھے۔ میزان الاعتدال فی نقد الرجال، تاریخ الاسلام والطبقات المشاہیر والاعلام، تذکرۃ الحفاظ، سیر اعلام النبلاء

تک پہنچ گئی تھی۔ [1]

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی ہیں، ایک موقعہ پر آپ کی خدمت کی تو آپ نے انہیں دعا سے نوازا:

اللھم فقھه فی الدین وعلمه التأویل۔ [2]

اے اللہ! انہیں دین کا فہم نصیب فرما اور قرآن کے علم سے نواز دے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ فقہ شافعی کی اکثر بنیادیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کے اقوال ہی سے جا ملتی ہیں، اور علم قرآن سے اللہ نے ایسے نوازا کہ امام التفسیر کہلائے۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اپنے ماتحتوں اور خادموں کو دعاؤں سے نوازنا مصطفی جانِ رحمت ﷺ کی پیاری سنت ہے، لہذا ہمیں چاہیے کہ ہم ناراضگی کے وقت بجائے اس کے بددعا کا سہارا لیں، انہیں نرم الفاظ میں تنبیہ کریں ان کی اصلاح کی دعا کریں۔

بعض دفعہ خدام سے گستاخی یا طبیعت کے خلاف کسی بات کے پیش آجانے پر انسان تنبیہ کرنے کے بجائے بددعا کا سہارا لیتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بددعا کرنے سے سختی سے منع فرمایا ارشاد فرمایا:

اپنے لیے بددعا نہ کرو، نہ ہی اولاد کے لیے، نہ ہی اپنے خادم کے لیے، نہ ہی اپنے مال کے لیے؛ اگر قبولیت کی گھڑی موافق ہو جائے گی تو یہ بددعا قبول ہو جائے گی۔ [3]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک طویل عرصہ گزارا، اس کے باوجود آپ نے کبھی ان پر ظلم و زیادتی نہ کی، کبھی ان کے ساتھ ناروا سلوک نہ اپنایا، حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

گزشتہ صفحہ کا بقیہ حاشیہ

وغیرہ ان کی مشہور تصانیف ہیں۔

(1)-سیر اعلام النبلاء 399/3 بیروت.

(2)-ابن ابی شیبہ: 32223. باب ما ذکر فی ابن عباس

(3)-ابو داوٗد: 1532، باب النهی أن یدعو الانسان

میں دس سال تک سرکار اقدس ﷺ کی خدمت کرتا رہا، قسم بخدا! آپ نے کبھی مجھے بُرا نہ کہا، نیز کبھی اُف تک نہ کہا، اور کسی بھی چیز کے بارے میں یہ سوال نہ کیا کہ تم نے یہ کام کیوں نہ کیا؟ یا یہ کیوں کیا؟۔ (1)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک دوسری حدیث پاک ہے:

كان رسول الله ﷺ من احسن الناس خلقا، فارسلني يوما لحاجة ، فقلت والله لا اذهب، وفي نفسي ان اذهب لما امرني به نبي الله ﷺ، قال فخرجت حتى امر علىٰ صبيان وهم يلعبون في السوق، فاذا رسول الله ﷺ قابض بقفاي من ورائي، فنظرت اليه وهو يضحك، فقال يا انيس، اذهب حيث امرتك۔ قلت نعم ، انا اذهب يا رسول الله! قال انس: والله لقد خدمته سبع سنين اوتسع سنين ، ما علمت قال لشئي صنعت: لم فعلت كذا كذا، ولا لشئي تركت، هلا فعلت كذا كذا، (2)

ترجمہ : رسول اللہ ﷺ کے اخلاق سب سے اچھے تھے آپ نے ایک دن مجھے کسی کام سے بھیجا، میں نے کہا خدا کی قسم میں نہیں جاؤں گا، حالاں کہ میرے دل میں یہ تھا کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے جس کام کا حکم دیا ہے میں اس کو کرنے ضرور جاؤں گا، میں چلا یہاں تک کہ میں نے بازار میں کھیلنے والے لڑکوں کو دیکھا، جبھی پیچھے سے رسول اللہ ﷺ نے میری گدی پکڑی میں نے آپ کی طرف دیکھا تو آپ مسکرا رہے تھے، آپ نے فرمایا: انیس! جہاں کے لیے کہا تھا وہاں جاؤ، میں نے عرض کیا: جی میں جا رہا ہوں یا رسول اللہ۔ حضرت انس نے کہا میں خدا کی قسم نو سال آپ کی خدمت میں رہا، مجھے معلوم نہیں کہ میں نے کوئی کام کیا ہو اور آپ نے یہ فرمایا ہو کہ تم نے اس طرح کیوں کیا ہے، یا کوئی کام میں نے ترک کیا ہو تو آپ نے اس کے لیے یہ فرمایا ہو کہ تم نے اس طرح کیوں نہیں کیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے حکم کی تعمیل میں اتنی تاخیر کر دی کہ سرکار دوعالم

(1)-مسند احمد: 1278 ، مسند انس بن مالك

(2)-مسلم: كتاب الفضائل ، باب كان رسول الله ﷺ احسن الناس خلقا

ﷺ خود ان کی تلاش میں نکل گئے، آپ نے جب انہیں بچوں کے درمیان کھیلتے ہوئے پایا تو ناراض نہیں ہوئے بلکہ بڑے محبت بھرے انداز میں یا انیس کہہ کر مخاطب فرمایا، جو تصغیر کا صیغہ ہے اور اظہار محبت کے لیے بچوں کو اس صیغے کے ذریعہ خطاب کیا جاتا ہے، آپ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے محبت بھرا استفسار فرمایا جو ایک طرح کی تربیت تھی کہ بڑے جب حکم دیں تو اس کو فورا بجالانا چاہیے۔ آج ہمارا اپنے ماتحتوں کے ساتھ کیسا برتاؤ ہے، ہمیں اس پر غور کرنا چاہیے اور سرکار اقدس ﷺ کی سیرت طیبہ سے سبق حاصل کرنا چاہیے۔

اسی طرح حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ غلامی کے ایام میں آقائے دو جہاں ﷺ کی ملکیت میں تھے، حضرت زید کے والد بیٹے کی جدائیگی پر انتہائی غمگین و پریشان تھے، بیٹے کی جدائیگی پر انہوں نے اشعار بھی کہے، کسی طرح ان کے علم میں یہ بات آئی کہ حضرت زید نبی کریم ﷺ کے غلام بن گئے ہیں، انہوں نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بیٹے کا مطالبہ کیا، آپ نے حضرت زید کو اختیار دے دیا کہ وہ چاہیں تو اپنے والد کے ساتھ جائیں یا یہیں رہیں، حضرت زید نے والد کے بجائے آپ کی غلامی ہی کو پسند کیا، حقیقت یہ ہے کہ حضرت زید رسول کریم ﷺ کے اخلاق سے اس قدر متاثر ہو گئے تھے کہ آزادی کے بجائے آپ کی غلامی کو پسند فرمایا، والد اور خاندان و قبیلہ کے بجائے آپ کو ترجیح دی، یہ انہیں رحیمانہ و کریمانہ پہلوؤں کے اثرات تھے، جس کے سایہ میں حضرت زید رضی اللہ عنہ پروان چڑھے تھے، جسے کسی بھی قیمت پر انہوں نے چھوڑنا گوارا نہ کیا۔[1]

مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کو غلاموں کی بڑی فکر دامن گیر تھی یہی وجہ ہے کہ آپ موقعہ بموقعہ غلاموں کے آزاد کرنے کی تلقین فرمایا کرتے تھے، غلاموں کی آزادی کو مختلف کفارات کے طور پر مشروع کیا گیا، غلاموں کے آزاد کرنے کے مختلف فضائل بیان فرمائے، ایک موقعہ پر فرمایا:

(1)-مسلم: باب احسن الناس خلقا. طبرانی: 4651

جو بھی مسلمان کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے تو وہ جہنم سے چھٹکارا پائے گا۔ (1)

بلکہ مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے غلاموں کے تعلق سے اتنا اہتمام فرمایا کہ آپ کے آخری کلمات بھی غلاموں ہی کے متعلق تھے، کہ تم اپنے غلاموں کے سلسلہ میں اللہ سے ڈرو۔ (2)

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے: كان آخر كلام رسول الله ﷺ: الصلاة الصلاة، اتقوا الله فيما ملكت ايمانكم (3)

ترجمہ: رسول کریم ﷺ کا آخری جملہ یہ تھا: نماز نماز، غلاموں کے سلسلے میں اللہ سے ڈرو۔

آپ نے غلامی کے خاتمے کے لیے مسلسل کوشش فرمائی، متعدد ذرائع سے انہیں آزادی کا پروانہ عطا کیا جس کی تفصیلات کے لیے مستقل کتاب کی ضرورت ہے۔

خادموں اور غلاموں کے حوالے سے مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی مہربانیوں کا اعتراف تعصب پسند مورخوں نے بھی کیا ہے

جُرجی زیدان (عیسائی مؤرّخ) اپنی کتاب تاریخ تمدن میں لکھتا ہے:

"اسلام، غلاموں کے ساتھ حد سے زیادہ مہربان ہے، پیغمبر اسلام نے غلاموں کے بارے میں بڑی تاکید کی ہے، یہاں تک کہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کہنا ہے: جن کاموں کی بجاآوری غلاموں کے بس کی بات نہیں وہ ان کے ذمے نہ لگائے جائیں، جو کچھ تم کھاتے ہو ویسا ہی غلاموں کو کھلاؤ"۔

(1)-ترمذی: 1547، باب ما جاء فی فضل من أعتق

(2)-مسند احمد: 584 مسند علی

(3)-ابو داؤد، 5126

فقرااور مساکین پر رحم و کرم

فقر وغنا دونوں ہی حالتیں انسان کے لیے آزمائش ہو سکتی ہیں، کبھی اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو مصائب وآلام اور شدید محتاجی میں مبتلا فرماکر اس کے صبر وشکیب کا امتحان لیتا ہے تو کبھی اس کو اپنی نعمتوں کے خزانے عطا فرماکر آزمائش میں ڈالتا ہے، انسان مال ودولت کی کثرت کے سبب دنیا کی رنگینیوں میں اس قدر گم ہو جاتا ہے کہ اسے نہ تو دنیاوی رشتوں کا خیال رہتا ہے اور نہ اپنے مالک حقیقی کے حقوق کا لحاظ۔

یہی وجہ ہے کہ مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ نے فقر و محتاجی کے ساتھ ساتھ دولت وغنا کو بھی آزمائش قرار دیتے ہوئے مومن کے ایمان کے لیے خطرہ قرار دیا، ارشاد فرمایا:

مَا الْفَقْرُ أَخْشَى عَلَيْكُمْ، وَلَكِنِّي أَخْشَى أَنْ تُبْسَطَ الدُّنْيَا عَلَيْكُمْ كَمَا بُسِطَتْ عَلَى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ، فَتَتَنَافَسُوهَا كَمَا تَنَافَسُوهَا قَبْلَكُمْ، فَتُهْلِكَكُمْ كَمَا أَهْلَكَتْهُمْ [1]

ترجمہ: خدا کی قسم مجھے تمھارے مفلس ہو جانے کا زیادہ ڈر نہیں، ہاں! ڈر تو اس بات کا ہے کہ تم پر دنیا اس طرح وسیع کر دی جائے جس طرح تم سے پہلے کے لوگوں پر وسیع کر دی گئی، پھر تم اس میں مبتلا ہو جاؤ جیسا کہ تم سے قبل کے لوگ اس میں مبتلا ہو گئے اور تمہیں دنیا ہلاک کر ڈالے جیسا کہ تمھارے پہلے والوں کو ہلاک کر دیا۔

شدید محتاجی اور تنگ دستی بھی ایک عظیم فتنہ ہے، انسان بسا اوقات تنگ دامانی کا شکار ہو کر اپنے رب کی ناشکری کرتا ہے، کبھی رزق کے حرام ذرائع کو اختیار کر کے اپنی دنیا وآخرت دونوں کو تباہ وبرباد کر لیتا ہے، بعض محروم القسمت افراد تنگی رزق سے جان چھڑانے اور آرام وآسائش کی زندگی حاصل کرنے کے لیے اپنا ایمان بھی کھو بیٹھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ مصطفیٰ جان رحمت ﷺ نے فقر سے پناہ مانگی اور ارشاد فرمایا:

---

(1)۔البخاری: کتاب المغازی، باب شھرۃ الملائکۃ بدرا

اللھم انی اعوذبك من الکفر والفقر [1]

ترجمہ: اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں کفر اور فقر سے۔

کبھی یوں دعا فرماتے:

اقض عنا الدین، واغننا من الفقر [2]

ترجمہ: ہم سے قرض کو دور کردے اور ہم کو فقر سے مستغنی فرما۔

سماج و معاشرے کے معاشی اعتبار سے تنگ دست افراد قابل رحم ہوا کرتے ہیں، ان کے پاس زندگی کے ضروری لوازمات بھی نہیں ہوتے، بلکہ وہ نانِ شبینہ کو ترستے ہیں۔ انسانیت کا تقاضا ہے کہ ایسے افراد کی امداد و اعانت کی جائے، ان کے ساتھ رحم وکرم کا سلوک کیا جائے، اپنے مصارف میں سے کچھ حصہ انہیں دے کر ان کی ضرورتیں پوری کی جائیں، اسلام نے سماج کے ایسے ہی افراد کی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے زکات اور صدقات کا نظام قائم کیا، نبی رحمت ﷺ نے اس اسلامی نظام کو نافذ فرما کر اس طبقہ انسانی پر جو احسان فرمایا اس کی مثال نہ تو دنیا کے کسی مذہب میں ہے اور نہ ہی دنیا کی کسی دوسری شخصیت کی سیرت میں۔ آپ خود ان محتاجوں اور مسکینوں کا خیال فرماتے، ان کی ضرورتیں پوری کرتے، ان کو اپنے نرم لہجے میں تسکین دیتے اور اپنے صحابہ کرام کو بھی ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے اور ان کی مالی امداد کا حکم دیا کرتے تھے۔ ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

یاابن آدم انك ان تبذل الفضل خیر لك، وان تمسکه شر لك، ولاتلام علیٰ کفاف، وابدأ بمن تعول، والید العلیا خیر من الید السفلیٰ [3]

ترجمہ: اے ابن آدم تیرے لیے مال کا خوب خرچ کرنا بہتر ہے اور مال کو روکے رکھنا برا

---

(1).ابو داؤد: ۵۰۹۰

(2).مسلم: کتاب الذکر والدعا والتوبہ الاستغفار، باب مایقال عند النوم واخذ المضجع

(3).البخاری : کتاب الا طعمۃ، ومسلم : کتاب الزکاۃ، باب بیان ان الید العلیا خیر من الید السفلیٰ

ہے،اور ضرورت کے مطابق خرچ کرنے پر تیرے لیے ملامت نہیں ہے،اور جو تیرے ماتحت ہیں ان سے ابتدا کرو،اور اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔

ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

ما احب ان احدا لی ذھبا یاتی علی لیلۃ او ثلاث عندی منہ دینار الا ارصدہ لدین، الا ان اقول بہ فی عباد اللہ ھکذا ھکذا ھکذا[1]

ترجمہ: اگر میرے پاس کوہ احد کے برابر بھی سونا آئے اور ایک رات یا تین راتیں گزر جانے کے بعد میرے پاس ایک اشرفی بھی رہ جائے تو یہ مجھے پسند نہیں، مگر یہ کہ کسی کا قرض ادا کرنا ہو، ورنہ اللہ کے بندوں پر اسی طرح، اسی طرح اور اسی طرح خرچ کردوں۔

فقرا و مساکین اور حاجت مندوں کے ساتھ رحم وکرم ہی کا داعیہ تھا کہ آپ اپنے ایک صحابی کو حکم دیا کہ اپنے سالن میں شوربہ بڑھالینا تاکہ اس سے تمھارے پریشان حال پڑوسی بھی مستفید ہوں، آقائے کریم ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا:

یا اباذر اذا طبخت مرقۃ فاکثر ماءھا، وتعاھد جیرانک[2]

ترجمہ: اے ابوذر! جب سالن پکاؤ تو شوربے میں اضافہ کرلو اور اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو۔

حاجت مندوں کی امداد و اعانت ہی کی غرض سے آپ عورتوں سے اپنے پڑوسیوں پر صدقہ کا حکم دیا کرتے تھے، آپ نے ارشاد فرمایا:

یا نساء المسلمات، لا تحقرن جارۃ لجارتھا ولو فرسن شاۃ[3]

ترجمہ: اے مسلمان عورتو! تم میں سے کوئی عورت اپنی ہم سایہ کو حقیر نہ سمجھے، خواہ وہ

(1)۔البخاری: کتاب الاستیذان، باب من اجاب بلبیک وسعدیک

(2)۔البخاری: کتاب الاطعمۃ، ومسلم: کتاب الزکاۃ، باب بیان ان الید العلیا خیر من الید السفلیٰ

(3)۔البخاری: کتاب الھبۃ وفضلھا، باب التحریض علیھا. مسلم: کتاب الزکاۃ، باب الحث علی الصدقہ ولو بقلیل

اسے بکری کا ایک کھر دے۔

آپ کا منشا یہ تھا کہ کوئی بھی فرد محتاج اور تنگ دست نہ رہے، اگر کوئی اس مصیبت میں مبتلا ہے تو سماج و معاشرے کے دوسرے لوگ ان کی مالی امداد کے ذریعہ انہیں اس پریشانی سے نجات دلائیں، اس کے لیے آپ نے متعدّد طریقے رائج فرمائے، کبھی صدقات کے ذریعہ ان کی اعانت ہوتی تو کبھی کفارات کے ذریعہ ان کی ضرورتیں پوری کی جاتیں اور کبھی دیگر ذرائع سے ان کا خیال رکھا جاتا۔

اپنے حاجت مند اصحاب سے آپ کس قدر محبت فرماتے تھے اور ان کی ضرورتوں کا آپ کو کس قدر خیال تھا اس کا اندازہ جنگ احزاب کے موقع پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی جانب سے ہونے والی دعوت کی تفصیلات سے لگایا جاسکتا ہے۔

جنگ احزاب کے موقع پر جب حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کے شکم مبارک پر کئی کئی پتھر بندھے دیکھے تو آپ کو بڑا افسوس ہوا، گھر آکر اپنی شریک حیات سے مشورے کے بعد سرور کائنات ﷺ کی دعوت کی، لیکن نبی کریم ﷺ نے بھوک و پیاس کی شدت میں مبتلا صحابہ کرام کو چھوڑ کر تنہا دعوت میں جانا پسند نہیں فرمایا، آپ کو یہ گوارا نہیں ہوا کہ آپ تو حضرت جابر کے گھر جاکر شکم سیر ہوجائیں اور آپ کے پریشان حال اصحاب بھوک کی شدت میں مبتلا رہیں۔ چنانچہ آپ نے تمام صحابہ کرام میں حضرت جابر کی دعوت کا اعلان کرادیا، حضرت جابر کے لیے یہ پریشانی کی بات تھی کہ تھوڑے کھانے میں اتنے افراد کیسے کھائیں گے، لیکن جب قاسم نعمت خود ہی مہمان ہوں تو ان کی ضیافت کے لیے فکر کی کیا ضرورت ہے، سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جابر نے دعوت دی تھی، اور تمام صحابہ کو خود سرکار نے اپنی طرف سے دعوت پیش کی تھی، لہٰذا تمام صحابہ کی ضیافت کا انتظام بھی آپ ہی کے لعاب مبارک کی برکت سے ہوا، تھوڑے سے آٹے اور بکری کے ایک چھوٹے بچے کے گوشت میں آپ نے لعاب مبارک ڈال دیا، پھر اس قدر برکت ہوئی کہ تقریباً ایک ہزار صحابہ نے شکم سیر ہوکر کھایا اور کھانے میں کوئی کمی بھی نہ

ہوئی۔ [1]

مصطفیٰ جان رحمت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں جب کوئی تنگ دست اور پریشان حال حاضر ہوتا اور آپ کے پاس اگر کچھ موجود ہوتا تو اسے ضرور عنایت فرماتے اگر اس وقت آپ کے پاس ضرورت مند کو دینے کے لیے کچھ موجود نہ ہوتا تو اپنے صحابہ کو صدقہ کی ترغیب فرماتے، صحابہ کرام آپ کے حکم پر جان ومال قربان کرنے کے لیے تیار رہتے، جن کو جو میسر آتا لے کر سرکار دوعالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوتے، اس طرح ضرورت مند کی ضرورت پوری ہوتی اور صحابہ کرام اجر وثواب کے مستحق ہوتے۔

حضرت جریر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی پریشان حال سرکار دوعالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا، ان کے جسم پر بوسیدہ لباس تھا، غربت کے آثار اس کے چہرے سے ظاہر ہو رہے تھے، جب آپ نے اس اعرابی کی اس کیفیت کو ملاحظہ فرمایا تو وہاں موجود صحابہ کرام کو صدقہ پر ابھارا، صحابہ کرام نے کچھ تاخیر کی، اس اعرابی کا چہرہ مزید پژمردہ ہو گیا، اسی درمیان ایک انصاری صحابی ورق کا تھیلا لے کر حاضر ہوئے، پھر دوسرے آئے، پھر یکے بعد دیگرے متعدّد صحابہ صدقہ لے کر حاضر ہوئے، حضرت جریر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ جب اس نے یہ کیفیت دیکھی تو اس کا چہرہ کھل اٹھا اور وہ مسرور ہو گیا، رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:

من سن فی الاسلام سنة حسنة، اجرها واجر من عمل بها بعده من غیر ان ینقص من واجورهم شئی، ومن سن فی الاسلام سنة سیئة، کان علیه وزرها ووزر من عمل بها من بعده من غیر ان ینقص من اوزارهم شئی۔ [2]

ترجمہ: جس آدمی نے مسلمانوں میں کسی نیک طریقہ کی ابتدا کی اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا تو اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا اجر بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور عمل

(1)۔البخاری: کتاب المغازی، باب غزوة الخندق وهی الاحزاب

(2)۔مسلم: کتاب العلم، باب من سن سنة حسنة سیئة ومن دعا الیٰ هده او ضلالة

کرنے والوں کے اجر میں کمی نہیں ہوگی،،اور جس آدمی نے مسلمانوں میں کسی برے طریقہ کی ابتدا کی اور اس کے بعد اس طریقہ پر عمل کیا گیا تو اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کا گناہ بھی اس آدمی کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور عمل کرنے والوں کے گناہ میں کوئی کمی نہیں ہوگی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ ایک پریشان حال شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اپنی ازواج مطہرات میں سے کسی کے پاس بھیجا کہ اگر گھر میں کچھ ہو تو سائل کی ضیافت کی جائے ،اس نے عرض کیا: قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا میرے پاس پانی کے سوا کچھ نہیں ہے ، پھر دوسری زوجہ کے یہاں بھیجا اس نے بھی وہی جواب دیا، یہاں تک کہ تمام ازواج مطہرات نے یہی جواب دیا۔ تو آپ نے ارشاد فرمایا: کون ہے جو آج کی رات اس مہمان کی ضیافت کرے ، اللہ اس پر رحم فرمائے۔ ایک انصاری صحابی کھڑے ہوئے ، عرض کیا یارسول اللہ میں اس کی ضیافت کروں گا، وہ صحابی اس مہمان کو لے کر اپنے گھر پہنچے ، اپنی بیوی سے پوچھا، کیا گھر میں کھانے کا کچھ سامان ہے ؟ بیوی نے کہا کہ اتنا ہے کہ بچے کھا سکیں، صحابی نے فرمایا کہ بچوں کو بہلا کر سلا دو، اور جب کھانے کا وقت ہو تو چراغ کو بجھا دینا اور ایسا ظاہر کرنا کہ ہم بھی ان کے ساتھ کھا رہے ہیں ، تاکہ مہمان کو کسی قسم کی وحشت نہ ہو، چنانچہ بیوی نے شوہر کے منصوبے کے مطابق ویسا ہی کیا، مہمان نے شکم سیر ہو کر کھانا کھایا، جب صبح ہوئی اور یہ صحابی سرکار دوعالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے ارشاد فرمایا:

عجب اللہ من صنیعکما بضیفکما اللیلۃ (1)

ترجمہ: تم نے مہمان کے ساتھ جس حسن سلوک کے ساتھ رات میں ضیافت کی اللہ تعالیٰ اس پر بہت خوش ہوا۔

محتاجوں اور مسکینوں پر رحم وکرم کی یہ داستان بھی سنتے چلیں۔

حضرت سہل بن سعد کی روایت ہے:

(1)۔مسلم: کتاب الاشربۃ، باب اکرام الضیف وفضل ایثارہ

أن امرأة، جاءت النبی صلی الله علیه وسلم ببردة منسوجة فیها حاشیتها .أتدرون ما البردة قالوا الشملة. قال نعم. قالت نسجتها بیدی، فجئت لأکسوکها. فأخذها النبی صلی الله علیه وسلم محتاجا إلیها، فخرج إلینا وإنها إزاره، فحسنها فلان فقال اکسنیها، ما أحسنها. قال القوم ما أحسنت، لبسها النبی صلی الله علیه وسلم محتاجا إلیها، ثم سألته وعلمت أنه لا یرد. قال إنی والله ما سألته لألبسها إنما سألته لتکون کفنی. قال سهل فکانت کفنه.[1]

حضرت سہل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک بنی ہوئی حاشیہ دار چادر آپ کے لیے تحفہ لائی۔ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ نے (حاضرین سے) پوچھا کہ تم جانتے ہو چادر کیا؟ لوگوں نے کہا کہ جی ہاں! شملہ۔ سہل رضی اللہ عنہ نے کہا ہاں شملہ (تم نے ٹھیک بتایا) خیر اس عورت نے کہا کہ میں نے اپنے ہاتھ سے اسے بنا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنانے کے لیے لائی ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کپڑا قبول کیا۔ آپ کو اس کی اس وقت ضرورت بھی تھی پھر اسے ازار کے طور پر باندھ کر آپ باہر تشریف لائے تو ایک صاحب نے کہا کہ یہ تو بڑی اچھی چادر ہے، یہ آپ مجھے پہنا دیجیے۔ لوگوں نے کہا کہ آپ نے (مانگ کر) کچھ اچھا نہیں کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی ضرورت کی وجہ سے پہنا تھا اور تم نے یہ مانگ لیا حالاں کہ تم کو معلوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کا سوال رد نہیں کرتے۔ صحابی رسول نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! میں نے اپنے پہننے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ چادر نہیں مانگی تھی۔ بلکہ میں اسے اپنا کفن بناؤں گا۔ سہل رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ وہی چادر ان کا کفن بنی۔

یہ حدیث پاک اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کسی سائل

(1)۔مسلم: کتاب الجنائز، باب من استعد الکفن فی زمن النبی ﷺ ولم ینکر علیه

کے سوال کورد نہیں فرماتے، دوسروں کی حاجات کواپنی حاجتوں پر مقدم رکھتے، تحفے میں پیش کی گئی چادر کی آپ کو بھی ضرورت تھی، لیکن آپ نے اپنی ضرورت بتاکر سائل کو نامراد کرنا مناسب نہیں سمجھا، یہ آپ کی شان رحیمی، کریمی اور فیاضی کی واضح دلیل ہے۔

مصطفیٰ جان رحمت منبع جود وسخا تھے، رحم وکرم آپ کی فطرت تھی، آپ ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنے کے بعد سکون واطمینان محسوس کرتے اور سائل کو شاداں وفرحاں دیکھ کر خوش ہوتے، آپ کی سخاوت وفیاضی اور رحم وکرم کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب ایک بکری ذبح کی گئی اور اس کے گوشت کا اکثر حصہ تقسیم کردیا گیا، ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ

مابقی منها الا کتفها

ترجمہ: بازو کے سوا کچھ نہیں بچا۔ یعنی سارا گوشت تقسیم ہو گیا، تو آپ صلی اللہ بڑی پیاری بات ارشاد فرمائی:

بقی کلها غیر کتفها(1)

ترجمہ: بازو کے سوا سب باقی رہا۔

نبی کریم ﷺ سماج کے پس ماندہ افراد کو معاش سے جوڑنا چاہتے تھے، آپ کی خواہش تھی کہ رزق اس قدر کشادہ ہوجائے کہ کسی کو کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی ضرورت نہ رہے، اس کے لیے آپ ایسے افراد کو متعدّد طریقوں سے رہنمائی فرماتے، ان کے لیے اسباب مہیا کرتے، اس ضمن میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی حدیث پاک اہمیت کی حامل ہے۔

أن رجلا من الأنصار أتى النبي صلى الله عليه وسلم يسأله فقال أما في بيتك شيء قال بلى حلس نلبس بعضه ونبسط بعضه وقعب نشرب فيه من الماء قال ائتني بهما قال فأتاه بهما فأخذهما رسول الله صلى الله عليه وسلم بيده وقال من

(1)۔الترمذی: ٢٤٨٠

يشتري هذين قال رجل أنا آخذهما بدرهم قال من يزيد على درهم مرتين أو ثلاثا قال رجل أنا آخذهما بدرهمين فأعطاهما إياه وأخذ الدرهمين وأعطاهما الأنصاري وقال اشتر بأحدهما طعاما فانبذه إلى أهلك واشتر بالآخر قدوما فأتني به فأتاه به فشد فيه رسول الله صلى الله عليه وسلم عودا بيده ثم قال له اذهب فاحتطب وبع ولا أرينك خمسة عشر يوما فذهب الرجل يحتطب ويبيع فجاء وقد أصاب عشرة دراهم فاشترى ببعضها ثوبا وببعضها طعاما فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم هذا خير لك من أن تجيء المسألة نكتة في وجهك يوم القيامة إن المسألة لا تصلح إلا لثلاثة لذي فقر مدقع أو لذي غرم مفظع أو لذي دم موجع (1)

ترجمہ: ایک انصاری شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس سوال کرنے کی غرض سے آیا، آپ نے اس سے پوچھا کیا تیرے گھر میں کچھ نہیں ہے، وہ بولا کیوں نہیں ایک کمبل ہے جس کا ایک حصہ ہم بچھا لیتے ہیں اور ایک حصہ اوڑھ لیتے ہیں اور ایک پانی پینے کا پیالہ ہے جس سے ہم پانی پیتے ہیں، آپ نے فرمایا وہ دونوں چیزیں میرے پاس لے آ، وہ گیا اور اپنی دونوں چیزیں لے آیا، نبی کریم ﷺ نے ان دونوں کو ہاتھ میں لے کر فرمایا: ان کا خریدار کون ہے؟ ایک شخص بولا میں ایک دینار میں خرید تا ہوں، آپ نے فرمایا ایک دینار سے زائد میں کون خرید تا ہے (اور اس طرح آپ نے دو یا تین مرتبہ فرمایا) ایک شخص نے کہا میں ان دونوں چیزوں کو دو درہم میں لینے کو تیار ہوں، پس آپ نے وہ دونوں چیزیں اس شخص کے حوالے کر دیں اور اس سے دو درہم لے کر اس انصاری کو دے دیا اور فرمایا کہ ایک درہم کی کچھ کھانے پینے کی چیزیں اہل وعیال کو دے دو اور ایک درہم میں ایک کلہاڑی خرید لو، وہ کلہاڑی لے کر آپ کے پاس آیا آپ نے اس میں ایک لکڑی دست مبارک سے ٹھونکی اور فرمایا: جا لکڑیاں کاٹ کر لا اور بیچ، اور پندرہ دن میں تجھے یہاں نہ دیکھوں، پس وہ شخص چلا گیا، وہ لکڑیاں کاٹتا اور ان کو بیچتا، کچھ دنوں بعد وہ شخص آیا اور اس نے دس درہم کمائے تھے جس میں سے کچھ کا کپڑا خریدا تھا اور کچھ کا کھانے پینے کا سامان، نبی کریم

(1)۔سنن أبي داود، كتاب الزكاة

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیرے حق میں یہ بہتر ہے، اس بات سے کہ قیامت کے دن تیرے منھ پر ایک داغ لگا ہو، سوال کرنا درست نہیں مگر تین طرح کے آدمیوں کے لیے ایک وہ جو نہایت مفلس ہو، خاک میں لوٹتا ہو، دوسرے وہ جو پریشان کن قرضوں کے بوجھ تلے دبا ہوا ہو، تیسرے وہ جس نے کوئی قتل کر ڈالا ہو اور اب اس پر دیت لازم آئی ہو۔

مصیبت زدوں پر رحم وکرم

انسان چاہے جس طبقے سے تعلق رکھتا ہو ہمیشہ ایک حال پر نہیں رہتا، مصائب وآلام مال داروں پر بھی آتے ہیں اور غریبوں پر بھی، حاکم ومحکوم، آقا اور غلام، خادم اور مخدوم سبھی نامساعد حالات سے نبرد آزما ہوتے ہیں، کبھی مرض انسان کا چین و سکون چھین لیتا ہے، کبھی مال ودولت کی بہتات اسے شفا نہیں دے پاتی، کبھی عزیزوں کی موت غم واندوہ میں ڈال دیتی ہے، کبھی قرض کا بوجھ راتوں کی نیند اُڑا دیتا ہے، جب ہم ان مصیبت زدوں کے حوالے سیرت رسول کا مطالعہ کرتے ہیں تو آقائے کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے رحم وکرم کی بارشیں ان پر پورے جود وسخا کے ساتھ برستی نظر آتی ہیں، کبھی آپ مریضوں کی عیادت فرماتے نظر آتے ہیں تو کبھی دنیا سے رخصت ہونے والوں کے پس ماندگان کی تعزیت فرماتے نظر آتے ہیں اور کبھی بھوکوں کو کھانا کھلاتے نظر آتے ہیں، حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قسم اللہ کی ہم سفر وحضر ہر حال میں سرکار دوعالم ﷺ کی صحبت میں رہے، ہم نے دیکھا کہ آپ مریضوں کی عیادت فرماتے ہیں، جنازوں میں شرکت فرماتے ہیں، غزوات میں حصہ لیتے ہیں، گویا آپ کی حیات مبارکہ کا ہر گوشہ مصیبت زدوں کی امداد واعانت سے معمور نظر آتا ہے۔

ذیل کی سطروں میں مختلف قسم کے مصیبت زدہ افراد کے ساتھ آپ کے رحیمانہ اور کریمانہ سلوک کی چند جھلکیاں پیش کی جائیں گی۔

مریض:

رحمت عالم ﷺ نے مریضوں کی عیادت کی نہ صرف تعلیم دی بلکہ عملی نمونوں کے ذریعہ اس کے مختلف پہلوؤں کو روشن فرمایا، آپ کو جب کسی کی بیماری کا علم ہوتا تو کثیر مصروفیات کے باوجود بنفس نفیس چل کر ان کے گھر تشریف لے جاتے، ان کی خیریت دریافت فرماتے، صحت وشفا کے لیے دعا کرتے اور تسلی کے الفاظ ارشاد فرماتے، آپ

کا یہ عمل صرف رسم نبھانے کے لیے نہیں ہوتا بلکہ مریضوں کی عیادت کو حقوق میں سے ایک حق سمجھتے، آپ نے ارشاد فرمایا:

حق المسلم على المسلم خمس: رد السلام، وعيادة المريض، واتباع الجنائز، وإجابة الدعوة، وتشميت العاطس. [1]

ترجمہ: ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں، سلام کا جواب دینا، بیمار ہو تو اس کی عیادت کرنا، اس کے جنازے کے ساتھ جانا، دعوت قبول کرنا، چھینک کا جواب دینا۔

ایک دوسری حدیث پاک ہے:

عن عبد الله بن عمر رضي الله عنهما. قال اشتكى سعد بن عبادة شكوى له فأتاه النبي صلى الله عليه وسلم يعوده مع عبد الرحمن بن عوف وسعد بن أبي وقاص وعبد الله بن مسعود. رضي الله عنهم. فلما دخل عليه فوجده في غاشية أهله فقال " قد قضى ". قالوا لا يا رسول الله. فبكى النبي صلى الله عليه وسلم فلما رأى القوم بكاء النبي صلى الله عليه وسلم بكوا فقال " ألا تسمعون إن الله لا يعذب بدمع العين، ولا بحزن القلب، ولكن يعذب بهذا. وأشار إلى لسانه. أو يرحم وإن الميت يعذب ببكاء أهله عليه ". وكان عمر. رضي الله عنه. يضرب فيه بالعصا، ويرمي بالحجارة ويحثي بالتراب. [2]

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا: سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کو ایک بیماری ہوئی تو رحمت عالم ﷺ عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو اپنے ساتھ لے کر ان کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، جب وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ان کے

(1)۔البخاری: کتاب الجنائز، باب الامر باتباع الجنائز

(2)۔البخاری: کتاب الجنائز، باب البکاء عند المریض

گھر والے خدمت کرنے والے سب جمع ہیں۔آپ نے فرمایا کیا گزر گئے لوگوں نے کہا نہیں۔ یارسول اللہ! یہ سن کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رونے لگے،لوگوں نے جب آپ کو روتے دیکھا تو وہ بھی رونے لگے۔آپ نے فرمایا سن لو! اللہ تعالیٰ آنکھ سے آنسو نکلنے پر اور دل رنجیدہ ہونے پر عذاب نہیں کرتا۔وہ تو اس پر عذاب کرے گا آپ نے زبان کی طرف اشارہ کیا (زبان سے نوحہ کرنا)۔اور دیکھو میت پر اس کے گھر والوں کے رونے سے عذاب ہوتا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو جب ایسا دیکھتے تو لاٹھی اور پتھر سے مارتے اور رونے والوں کے منہ پر خاک جھونکتے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ

مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں میں سے بہترین عیادت کرنے والے تھے۔(1)

نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا رحم وکرم دیکھیے کہ جب آپ مریضوں کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو انہیں تسلی دینے کے ساتھ ساتھ انہیں مرض پر اجر وثواب کی بشارت بھی سناتے،آپ کی عیادت سے مریض کو بڑا حوصلہ ملتا،اجر وثواب کی بشارت اس کے لیے مزید توانائی کا باعث ہوتی،سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیاری ادا مریضوں پر رحم وکرم کی اعلیٰ مثال ہے،حضرت ام العلا فرماتی ہیں:

عادني رسول الله صلى الله عليه وسلم وأنا مريضة فقال: أبشري يا أمّ العلاء، فإنّ مرض المسلم يذهب الله به خطاياه، كما تذهب النار خبث الذهب والفضّة (2)

ترجمہ: میں بیمار تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری عیادت فرمائی اور ارشاد فرمایا: اے ام العلا تمہیں بشارت ہو،اس لیے کہ مسلمانوں کا مرض ان کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے

(1)۔أخرجه أبو داود والطبراني

(2)۔سنن نسائی کتاب الجنائز باب عدد التکبیر علی الجنازۃ

، جیسا کہ آگ سونے اور چاندی کے میل کو دور کر دیتی ہے۔

مریض جب مرض میں مبتلا ہوتا ہے اور دوا علاج اس کے مرض کی شدت کو کم نہیں کرپاتا تو ایسی صورت میں اس کے لیے ایک ہی سہارا رہ جاتا ہے کہ رب ذو الجلال کی بارگاہ میں اس کی شفا کے لیے دعا کی جائے کیوں کہ شافی حقیقی وہی ہے، علاج تو ایک ذریعہ ہے، اسی لیے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو مریض کی شفایابی کے لیے خاص طور سے دعا فرماتے، اور اپنے صحابہ کو بھی اس کی ترغیب فرماتے، مریض کے لیے دعاے صحت کی فضیلت بیان فرماتے۔

ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

ان رسول الله ﷺ کان یقول اذا اتیٰ مریضا: اذھب الناس رب الناس، اشف وانت الشافی، لا شفاء الا شفاؤك، شفاء لا یغادر سقما[1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ جب کسی بیمار کی عیادت کے لیے تشریف لے جاتے تو فرماتے: اے پروردگار لوگوں کی بیماری دور فرمادے، شفا عطا فرما، تیرے سوا شفا دینے والا کوئی نہیں، تو ہی شفا دینے والا ہے، ایسی شفا کے کوئی بیماری نہ رہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جو مسلمان کسی مسلمان کی صبح کے وقت مزاج پرسی کرتا ہے اس کے حق میں شام تک 70 ہزار فرشتے استغفار کرتے رہتے ہیں اور اگر شام کے وقت مزاج پرسی کرتا ہے تو صبح تک اس کے حق میں فرشتے استغفار کرتے رہتے ہیں اور جنت میں اس کے لئے باغ (تیار کردیا جاتا) ہے۔[2]

مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ مریضوں پر خود بھی شفقت فرمایا کرتے تھے اور اپنے ماننے والوں کو بھی مریضوں کی عیادت اور مزاج پرسی کی ترغیب فرماتے، مریضوں کی

(1)۔البخاری کتاب المرضی باب دعاءالعائد للمریض

(2)۔ابو داؤ وسنن ترمذی

عیادت کی فضیلتیں متعدّد احادیث میں بیان کی گئی ہیں، ہم یہاں چند احادیث نقل کرتے ہیں۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: مریض کی عیادت کرنے والا واپس آنے تک جنت کے باغ میں رہتا ہے۔ [1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے اچھے انداز سے وضو کیا اور ثواب کی نیت سے مسلمان بھائی کی عیادت کی تو وہ ستر خریف کی مسافت کے برابر جہنم سے دور کردیا جاتا ہے۔ میں نے کہا: اے ابو حمزہ! خریف سے کیا مراد ہے انہوں نے فرمایا۔ سال۔ [2]

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بھوکے کو کھانا کھلاؤ، مریض کی عیادت کرو اور قیدی کو رہا کراؤ۔ [3]

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جب مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی عیادت کرتا ہے تو جنت کی کھجوریں برابر چنتا رہتا ہے۔ [4]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا جس نے کسی بیمار کی عیادت کی یا اللہ کے لیے کسی بھائی سے ملاقات کی اسے ایک پکارنے والا پکارتا ہے، یعنی فرشتہ کہتا ہے کہ تجھے مبارکباد ہو اور تیرا تیز چلنا مبارک ہو اور تو نے جنت میں اترنے کی جگہ بنالی۔ [5]

مریض کی عیادت کے لیے حضور ﷺ رنگ ونسل اور مذہب کا کوئی امتیاز روانہ

---

(1)-مسلم، کتاب البر والصلة

(2)-سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز

(3)-سنن ابی داؤد، کتاب الجنائز

(4)-جامع ترمذی، باب الحج

(5)-جامع ترمذی، باب البر والصلة

رکھتے اور امیر و غریب، مسلم و غیر مسلم اور اعرابی کے ساتھ یکساں ہمدردی کا سلوک فرماتے اور ہر ایک اس چشمۂ رحمت سے سیراب ہوئے۔

حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ غربا اور مساکین کی عیادت کے لیے جایا کرتے تھے۔ اور ان کا خیال رکھتے تھے، چنانچہ ایک غریب عورت بیمار ہوئی تو حضور ﷺ اس کی عیادت کے لیے جاتے رہے۔ اور جب اس کا آخری وقت آیا تو حضور کی تکلیف کے خیال سے صحابہ نے آپ کو اطلاع نہیں کی اور جنازہ پڑھ کر دفن کر دیا۔ صبح حضور ﷺ کو خبر ہوئی تو آپ ناراض ہوئے اور اس کی قبر پر جاکر جنازہ پڑھایا[1]۔[2]

---

(1)۔نماز جنازہ کی تکرار ہمارے ائمہ کے یہاں ناجائز و نامشروع ہے، ہاں اگر اجنبی غیر احق نے بلا اذن و متابعت ولی پڑھ لی ہو تو ولی اعادہ کر سکتا ہے، اس مسئلے پر فقہاے کرام نے اکثر کتب فقہ میں گفتگو کی ہے، حدیث مذکور میں سرکار دوعالم ﷺ نے صحابہ کرام کے جنازہ پڑھ لینے کے بعد قبر پر جاکر پھر جنازہ کی نماز پڑھی، اس لیے تکرار جنازہ کا شبہہ ہو سکتا ہے، اس سلسلے میں فقیہ فقید المثال اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کا ایک اقتباس جو رسالہ النھی الحاجز عن تکرار صلاۃ الجنائز، مشمولہ فتاویٰ رضویہ جلد چہارم، مطبوعہ سنی دارالاشاعت مبارک پور کے حوالے سے پیش کرتا ہوں جس سے شبہے کا اچھی طرح ازالہ ہو جائے گا۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ فرماتے ہیں: اقول وباللہ التوفیق: زمانہ اقدس حضور سید عالم ﷺ میں تمام مسلمین کے ولی احق واقدم خود حضور پر نور ﷺ ہیں، اللہ عزوجل فرماتا ہے: النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: انا اولیٰ بالمومنین من انفسھم، رواہ الشیخان والنسائی وابن ماجہ وعن ابی ہریرۃ رضی اللہ عنہ، تو جو نماز قبل اطلاع حضور اقدس ﷺ اور لوگ پڑھ لیں پھر اگر حضور پر نور ﷺ اعادہ فرمائیں تو یہ وہی صورت ہے کہ نماز اول غیر ولی احق نے پڑھی، ولی احق اعادہ کا اختیار رکھتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ جلد چہارم، ص: ۴۳، سنی دارالاشاعت مبارک پور)

(2)۔موطا امام مالک . کتاب الجنائز

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ایک یہودی کا لڑکا نبی کریم ﷺ کی خدمت کرتا تھا وہ بچہ بیمار ہوگیا تو آپ اس کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے اور اس کے سرہانے تشریف فرما ہوئے، اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ اس لڑکے نے اپنے والد کی طرف دیکھا تو اس کے والد نے کہا ابو القاسم (رسول کریم ﷺ کی کنیت تھی) کی اطاعت کرو، چنانچہ اس لڑکے نے اسلام قبول کرلیا۔ حضور جب وہاں سے نکلے تو بہت خوش تھے اور فرمارہے تھے الحمد للہ کہ خدا نے اس لڑکے کو آگ سے نجات بخشی۔[1]

عبداللہ بن ابی بن سلول منافقوں کا سردار اور حضور ﷺ کا دلی دشمن تھا مگر جب وہ بیمار ہوا تو آپ اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔[2]

مصطفیٰ جان رحمت ﷺ مریضوں پر اس قدر مہربان تھے کہ اگر ان کے لیے احکام میں کوئی سختی کرتا تو آپ اس سے سخت ناراض ہوتے، آپ نے مریضوں کے لیے بڑی رخصتیں عطا فرمائی تھیں، حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ہم لوگ سفر پر نکلے، ہم میں سے ایک شخص کے سر پر کسی پتھر سے زخم آگیا، اسی حالت میں اسے احتلام ہوگیا، اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا کیا میرے لیے تیمم کی رخصت ہے، ان کے ساتھیوں نے جواب دیا کہ تمھارے اندر پانی استعمال کرنے کی قدرت ہے لہذا تیمم جائز نہیں ہوگا، اس زخمی شخص نے پاکی حاصل کرنے کے لیے غسل کرلیا، یہ غسل اس کے لیے وبال جان ثابت ہوا اور اس کا انتقال ہوگیا، حضرت جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ جب ہم سرکار دوعالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ماجرا سنایا تو سرکار اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قتلوه قتلهم الله، الا سألوا اذا لم يعلموا، فانما شفاء العي السوال، انما كان يكفيه ان يتيمم او يعصر او يعصب (شك موسى) على جُرحه خرقة، ثم يمسح عليها

(1)-صحیح بخاری کتاب الجنائز باب اذا اسلم الصبی

(2)-سنن ابی داؤد کتاب الجنائز باب العیادة

ویغسل سائر جسدہ۔ [1]

ترجمہ: لوگوں نے اس کو ناحق مار ڈالا، اللہ ان کو ہلاک کرے، جب ان کو مسئلہ معلوم نہ تھا تو پوچھ لینا چاہیے تھا، کیوں کہ نہ جاننے کا علاج معلوم کر لینا ہے، اس شخص کے لیے کافی تھا کہ تیمم کر لیتا اور اپنے زخم پر کپڑا باندھ کر اس پر مسح کر لیتا اور باقی سارا بدن دھو لیتا۔

آپ اپنے بیمار صحابہ کرام کا علاج بھی کرایا کرتے تھے، جنگ خندق کے موقع پر جب حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ زخمی ہو گئے، تو سرور کائنات ﷺ نے رفیدہ نامی صحابیہ کو اس کے علاج کے لیے منتخب فرمایا کہ جو مدینہ شریف میں طبابت کے لیے مشہور تھیں۔ اسد الغابۃ کی روایت کے مطابق جب حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ زخمی ہوئے تو سرکار نے ارشاد فرمایا:

اجعلوہ فی خیمۃ رفیدہ حتی اعودہ من قریب، [2]

ترجمہ: اسے رفیدہ کے خیمے میں ٹھہراؤ تا کہ میں قریب سے ان کی عیادت کروں۔

میت کے پسماندگان پر رحمت وشفقت:

انسان اپنی زندگی میں جن مصائب وآلام سے دوچار ہوتا ہے ان میں اعزاواقربا کی موت بھی شامل ہے، گھر کے کسی بھی فرد کی موت انسان کو مضمحل اور مایوس کر دیتی ہے، اس کے حوصلے پست ہو جاتے ہیں، امیدیں ٹوٹ جاتی ہیں اور سجے سجائے خواب چکنا چور ہو جاتے ہیں، خاص طور سے موت جب ایسے فرد کی ہو جو گھر کا اہم ممبر یا سرپرست ہو تو غم میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے، اسلام نے ایسی بے چارگی کے عالم میں انسان کو تنہا نہیں چھوڑا بلکہ مصیبت کی اس گھڑی میں رشتہ دار اور دوست واحباب کو تعزیت کا حکم دیا اور حادثہ موت سے جو ماتم کا ماحول پیدا ہوا ہے اس کو ختم کرنے اور پس ماندگان کی تسلی

---

(1)-ابو داؤد: کتاب الطھارۃ، باب التیمم

(2)-تاریخ الطبری ۲/۱۰۰، عیون الاثر ۲/۱۰۳، سیرۃ ابن ھشام ٤/۱۹۸، اسد الغابۃ ٦/۱۱٤

کے لیے محبت کے دو بول، بول کران کا غم ہلکا کرنے کو کار ثواب کا درجہ عطا فرمایا۔ غم واندوہ کے اس عالم میں انسان کا چھوٹا سا اقدام بھی میت کے اہل خانہ کے دل میں اس کے لیے نرم گوشہ پیدا کر دیتا ہے۔

سرکار دوعالم ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ جب مدینہ شریف میں کسی صحابی کا انتقال ہو جاتا اور آپ کو اس کی اطلاع ملتی تو آپ ان کی تجہیز وتکفین میں ضرور شرکت فرماتے، اور اہل خانہ کو تسلی دیتے، مصیبت پر صبر کی فضیلت بیان فرماتے۔ مصائب پر صبر کے حوالے سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حدیث پاک روایت کرتی ہیں۔

سمعت رسول الله ﷺ يقول: مامن مسلم تصيبه مصيبة، فيقول ما امر الله، انا لله وانا اليه راجعون، اللهم اجرني في مصيبتي واخلف لي خيرا منها الا اخلف الله له خير منها[1]

ترجمہ: جس مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ اللہ کے حکم کے مطابق انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھے اور اللہ سے دعا کرے کہ اے اللہ مجھے اس مصیبت کے بدلے اجر عطا فرما، اس کے بعد مجھے خیر عطا فرما، تو اللہ تعالیٰ مصیبت کے بعد اسے خیر عطا فرمائے گا۔

خویش واقارب کی موت پر عورتیں زیادہ رونا دھونا کرتی ہیں اسی لیے سرکار اقدس ﷺ انہیں سب سے زیادہ صبر کی تلقین فرمائی۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ عورتوں نے سرکار دوعالم ﷺ کی بارگاہ میں شکایت کی کہ مرد تو ہم پر غلبہ لے گئے، لہذا یارسول اللہ! آپ ایک دن ہمارے لیے بھی منتخب فرمادیں جس دن آپ ہمیں وعظ و نصیحت فرمائیں، سرکار اقدس ﷺ نے عورتوں کی اس گزارش کو قبول فرمایا اور ان کے وعظ کے لیے ایک دن منتخب فرمایا اور ان سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

(1)-مسلم: کتاب الجنائز، باب مایقال عند المصیبة

مامنکم امرأة تقدم ثلاثة من ولدھا الا کان لھا حجابا من النار ، فقالت امرأة: واثنین؟ فقال واثنین[1]

جو کوئی عورت تم میں سے (اپنے) تین (لڑکے) آگے بھیج دے گی (یعنی جس کے تین بچوں کا انتقال ہو جائے) تو وہ اس کے لیے دوزخ سے پناہ بن جائیں گے۔ اس پر ایک عورت نے کہا، اگر دو (بچے بھیج دے) آپ نے فرمایا ہاں! اور دو کا بھی یہی حکم ہے۔

اس حدیث پاک میں نہایت حکیمانہ لب و لہجے میں اپنوں کی موت پر صبر کی تلقین کی گئی ہے اور ماں کے لیے اس کے سب سے محبوب سرمایہ یعنی اولاد کی موت پر اجر و ثواب کی بشارت بھی دی گئی ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ایک عورت سرکار دوعالم ﷺ کی خدمت میں اپنے بچے کو لے کر حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ میرا بچہ بیمار ہے اور مجھے اس کی موت کا خوف ہے، میں پہلے ہی تین بچے دفن کر چکی ہوں، تو سرکار اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لقد احتظرت بحظار شدید من النار[2] تم نے جہنم سے مضبوط آڑ حاصل کر لی ہے۔

نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم موت پر صبر و شکیب کی تعلیم دیا کرتے تھے اور واویلا مچانے سے منع فرماتے تھے لیکن موت کے صدمے سے آپ بخوبی واقف تھے اور انسانی کمزوری کا بھی آپ علم رکھتے تھے، اس لیے فطری طور پر معذور رکھ کر غیر ارادی آہ و بکا پر زجر و توبیخ نہیں فرماتے:

حضرت جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ جب میرے والد کو شہید کر دیا گیا تو میں آپ کے چہرے سے کپڑا ہٹاتا اور روتا جاتا تھا، لوگ مجھے روک رہے تھے لیکن سرکار دوعالم ﷺ مجھے منع نہیں فرما رہے تھے، میری پھوپھی فاطمہ بھی آہ و بکا کر رہی تھیں تو سرکار

(1)-البخاری: کتاب العلم، باب ھل یجعل للنساء یوم علیٰ حدة فی العلم

(2)-مسلم: کتاب البر والصلہ والآداب، باب فضل من یموت لہ ولد فیحتسبہ

اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: تبكين أو لا تبكين، ما زالت الملائكة تظله بأجنحتها حتى رفعتموه[1]

ترجمہ: تم لوگ روؤ یا چپ رہو۔ جب تک کہ تم لوگ میت کو اٹھاتے نہیں ملائکہ تو برابر اس پر اپنے پروں کا سایہ کئے ہوئے ہیں۔

موت کا وقت اہل خانہ کے لیے بڑا صبر آزما اور حوصلہ شکن ہوتا ہے ایسے وقت میں کسی کو منکرات سے باز رہنے کی تلقین کرنے کے لیے ڈانٹ ڈپٹ کرنا حکمت و مصلحت کے خلاف ہے، بلکہ ایسے موقع پر شفقت کا برتاؤ اور حکیمانہ انداز میں تنبیہ کی ضرورت ہوا کرتی ہے، قربان جائیں داعی اعظم اور محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی حکمت بالغہ پر کہ آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ اے فاطمہ تمھارا رونا غلط ہے، بلکہ ارشاد فرمایا کہ تمھارے رونے کا کوئی فائدہ نہیں، تمھارے آہ وبکا سے مردے کو کچھ فائدہ نہیں پہنچنے والا ہے، جس پر تم رو رہی ہو اسے تو شہادت کی موت نصیب ہوئی ہے اور رحمت کے فرشتے اس پر سایہ کیے ہوئے ہیں، لہذا تمہیں اس عمل سے باز رہنا چاہیے، یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا نبوی اسلوب ہے جو بڑا ہی حکیمانہ اور شفقت ومحبت سے لبریز ہے۔

مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کا یہ رحیمانہ برتاؤ صرف مرض اور موت ہی کے وقت نہیں تھا بلکہ آپ ہر مصیبت اور پریشانی کے وقت مسیحا بن کر اپنے رحم وکرم کا فیضان تقسیم فرماتے نظر آتے ہیں:

ایک دفعہ آپ مسجد نبوی میں داخل ہوئے، یہ کسی نماز کا وقت نہیں تھا، آپ نے دیکھا کہ حضرت ابوامامہ مسجد میں بیٹھے ہیں، ابوامامہ سے پوچھتے ہیں:

یا ابا امامه مالی اراك جالسا فی المسجد غیر وقت الصلاة

اے ابوامامہ کیا بات ہے کہ میں تمہیں مسجد میں دیکھ رہا ہوں حالاں کہ یہ کوئی نماز کا وقت نہیں ہے۔

---

(1)-البخاری کتاب الجنائز، ، باب الدخول علی المیت بعد الموت اذا ادرج فی کفنه

حضرت ابو امامہ جواب دیتے ہیں یارسول اللہ! غموں میں مبتلا ہوں اور قرض کے بوجھ تلے دبا ہوا ہوں۔

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت ابوامامہ کی پریشانی سماعت فرماتے ہیں تو محبت بھرے لہجے میں ارشاد فرماتے ہیں:

افلا اعلمك كلاما اذا انت قلته اذهب الله عزوجل همك وقضیٰ عنك دينك؟

ترجمہ: کیا میں تمہیں ایسے کلمات نہ بتادوں کہ جب تم انہیں پڑھو تو اللہ تمھارا غم دور فرمادے اور قرض کی ادائیگی کی سبیل پیدا فرمادے۔

حضرت ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ ضرور ارشاد فرمائیں، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، صبح وشام اس وظیفے کا ورد کیا کرو:

اللهم انى اعوذبك من الهم والحزن واعوذبك من العجزوالكسل، واعوذبك من الجبن والبخل، واعوذبك من غلبة الدين وقهر الرجال.

ترجمہ: اے اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں غم سے، حزن وملال سے، اور پناہ مانگتا ہوں عجز وکوتاہی سے، سستی اور بخل سے، اور پناہ مانگتا ہوں قرض کے غلبہ اور لوگوں کے ظلم سے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس وظیفے پر عمل کیا تو اللہ تعالیٰ نے میرا غم بھی دور فرمایا اور میرا قرض بھی ادا ہوگیا۔[1]

پریشان حال اور مصیبت زدوں کے ساتھ رحم وکرم کا ایک مظاہرہ وہ بھی تھا جب صحابہ کرام رضائے الٰہی کے لیے مکہ شریف سے ہجرت کر کے مدینہ کو اپنی مستقل سکونت بنا رہے تھے، وہ مکہ جو ان کا آبائی وطن تھا، بچپن اور جوانی کے خوشگوار لمحات جہاں گزارے تھے، جہاں اپنا مکان تھا، اپنی ملکیت تھی، دوست واحباب تھے، زندگی بھر کی یادیں تھیں، ان چیزوں کو خیرباد کہنا کوئی آسان کام نہ تھا، لیکن اللہ کی توفیق سے

(1)-ابوداؤد: ۱۵۵۵

صحابہ کرام اپنا کل متاع حیات قربان کرکے مدینہ پہنچ گئے، مدینہ شریف میں نہ توان کا اپنا مکان تھا، نہ سامان تجارت تھا، نہ خویش واقارب تھے، نہ آب وہوا موافق تھی، ایسی حالت میں ان کا پریشان ہونا فطری بات تھی۔ لیکن مدینہ میں تسکین قلب وجاں کے لیے وہ ذات موجود تھی جن پر خویش واقارب، دوست واحباب، مال ومنال، دکان ومکان سب کچھ قربان کردینا عین سعادت ہے۔

آپ غریبوں کے غم گسار تھے، مصیبت زدوں کے احساسات سے بھی واقف تھے، پریشان حال افراد کے دلی کیفیات پر بھی مطلع تھے، آپ نے مہاجرین صحابہ کی ہر طرح دل جوئی فرمائی، ان کے غم کا مداوا کیا، ان کے رہنے سہنے، کھانے پینے، تجارت ومعیشت یہاں تک کہ شادیوں کا بھی انتظام فرمایا، ان سب پر مستزاد یہ کہ ان کے عمل ہجرت کو عظیم ثواب کا سبب قرار دے کر ان کا سارا غم غلط کر دیا، ارشاد فرمایا: قیامت کے دن سب سے پہلے پل صراط سے گزرنے والے فقرائے مہاجرین ہوں گے۔

ایک دوسرے مقام پر فرمایا:

ان فقراء المهاجرين يسبقون الاغنياء يوم القيامة الى الجنة بأربعين خريفا[1]

ترجمہ: فقرائے مہاجرین اغنیا سے چالیس سال قبل جنت میں داخل ہوں گے۔

حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرکین مکہ کی ایذا رسانیوں سے عاجز ہو کر اپنا سارا مال واثاثہ مشرکین کے حوالے کرکے نہایت پریشانی کی حالت میں سرکار اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے حضرت صہیب کو بشارت سناتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ربح البيع ابا يحيىٰ۔

ترجمہ: سودے نے ابو یحیٰ کو فائدہ پہنچایا۔

حضرت عبداللہ بن جحش نے سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں شکایت کی کہ ابو

(1). مسلم: کتاب الزهد والرقاق

سفیان نے ہجرت کے بعدان کے مکان پر قبضہ کرلیااور اسے بیچ ڈالا، سرکار اقدس ﷺ نے انہیں تسلی دی اور فرمایا:

الا ترضی یا ابا عبداللہ ان یعطیك اللہ بها دار اخیر منها فی الجنة۔

ترجمہ:اے ابو عبد اللہ کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے بدلے تمہیں جنت میں اس سے بہتر گھر عطا فرمائے گا۔

عرض کیا کیوں نہیں یارسول اللہ! تو سرکار اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: فذلك لك[1]

ترجمہ: تو تمھارا یہی اجر ہے

مدینہ شریف صحابہ کرام کے لیے ایک نئی جگہ تھی، ابتداً وہاں کی آب وہوا راس نہیں آئی اور صحابہ کرام بیمار پڑنے لگے تو حضرت ابو بکر اور حضرت بلال وغیرہ صحابہ کرام نے سرکار کی خدمت میں اپنی پریشانی بیان کی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب صحابہ نے سرکار اقدس ﷺ سے بیماریوں کی شکایت کی تو آپ نے اپنے رب کی بارگاہ میں دعا فرمائی:

اللهم حبب الینا المدینة کما حببت مکة او اشد، وصححها، و بارك لنا فی صاعها ومدها، وحول حماها الی الجحفة[2]

ترجمہ:اے ہمارے رب ہمارے لیے مدینہ کو ویسا ہی محبوب بنا جیسا کہ مکہ کو ہمارے لیے محبوب بنایا ہے یا اس سے بھی زیادہ، اور مدینہ کو ہمارے لیے صحت بخش بنا، ہمارے مد اور صاع میں برکت عطا فرما اور مدینہ کے بخار کو جحفہ کی طرف پھیر دے۔

معاشرتی وحشت کو دور فرمانے کے لیے آپ نے انصار اور مہاجرین کے مابین رشتہ مواخات قائم فرمایا جو انسانی تاریخ کا ایک بے مثال کارنامہ ہے۔

مصیبت زدوں، پریشان حالوں اور غم زدوں کے ساتھ رحم وکرم کا یہ برتاؤ دیکھ کر زبان بے ساختہ پکار اٹھتی ہے: و صدق الذی قال: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۝

(1)-السیرة النبویة لابن هشام ۲۸۳

(2)-مسلم: کتاب الحج، باب الترغیب فی سکنی المدینة والصبر لأوائها.

ناواقف خطا کاروں اور گناہ گاروں پر رحم و کرم

انسان میں فطرتاً ایسی کمزوریاں موجود ہیں کہ اُس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا صدور ہوسکتا ہے، اس کی صراحت نبی کریم ﷺ کی حدیث پاک سے بھی ملتی ہے:

ارشاد فرمایا:

کل ابن آدم خطّاء، وخیر الخطّائین التوابون [1]

یعنی ہر ابن آدم خطا کار ہے اور خطا کاروں میں بہتر وہ لوگ ہیں جو توبہ کرنے والے ہیں۔

اس قاعدہ سے صرف انبیائے کرام اور فرشتے مستثنیٰ ہیں، اگر اللہ کا خاص فضل شاملِ حال نہ ہو تو انسان کے دامن کا گناہوں سے پاک رہنا سخت مشکل ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو امت میں احکام شرع کے سلسلے میں سب سے زیادہ حساس اور پابند تھے، جن کی عظمت کی گواہی قرآن وحدیث دونوں میں دی گئی ہے، [2] انسان ہونے کے ناطے وہ بھی گناہوں سے مبرا نہیں تھے، ان سے خطا کا وقوع ہوتا تھا، اگرچہ وہ خطائیں ان کے بحرِ حسنات میں تنکوں کی حیثیت رکھتی تھیں۔

خطائیں مختلف نوع کی ہوا کرتی ہیں، بعض چھوٹی اور بعض بڑی، اسلام نے جرم کی نوعیت کے اعتبار سے اس کی سزائیں بھی مختلف نوع کی منتخب کی ہیں، کسی جرم کی سزا توبہ یعنی رب تعالیٰ کی بارگاہ میں اظہار ندامت اور ترک گناہ کا عزم مصمم ہے، کسی جرم کی سزا کفارہ ہے تو کسی گناہ کی سزا حد ہے اور کسی کی تعزیر۔ خطا کاروں کی ان سزاؤں کے حوالے سے جب ہم رحمت عالم ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو سیرت مصطفیٰ جان

---

(1)-الترمذی: ٢٤٩٩

(2)-رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔ جب کہ قرآن پاک میں فرمایا گیا: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا٘ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ؕ

رحمت ﷺ کے اس باب میں بھی رحم وکرم کے جلوے ہماری آنکھوں کو خیرہ اور عقل وخرد کو حیرت زدہ کرتے نظر آتے ہیں۔ مجرموں اور خطاکاروں کے ساتھ رحم وکرم کا جو سلوک مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی سیرت میں ملتا ہے وہ بے مثال اور بے نظیر ہے، یہ محض ایک دعویٰ نہیں بلکہ اس پر سیکڑوں دلائل ذخیرہ احادیث اور کتب سیر وتواریخ میں موجود ہیں۔

ہم اس بحث کو دو حصوں میں تقسیم کرتے ہیں، پہلی بحث میں ناواقف خطاکاروں پر رحم وکرم کے حوالے سے گفتگو کریں گے جب کہ دوسری بحث میں گناہ گاروں پر رحم وکرم سے متعلق شواہد پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔ یہاں ناواقف خطاکار اور گناہ گار کے مابین فرق واضح کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

عربی زبان میں ناواقف خطاکار کی تعبیر المخطی الجاھل سے کی جاتی ہے اور گناہ گار کی تعبیر المذنب سے کی جاتی ہے، یعنی پہلے کو اپنے عمل کے خلافِ شرع ہونے کا علم نہیں ہوتا جب کہ دوسرا جانتا ہے کہ اس کا عمل خلاف شرع ہے، اس کے باوجود وہ اس فعل کو انجام دیتا ہے۔

ناواقف خطاکاروں پر رحم وکرم کے چند شواہد:

ابتدائے اسلام میں تمام مسلمان احکامات شرعیہ سے مکمل طور پر واقف نہیں ہو سکے تھے، خاص طور سے وہ افراد جو دیہات کے باشندے تھے اور آقائے کریم ﷺ کی بارگاہ میں کم حاضر ہو پاتے ایسے افراد سے متعدّد مواقع پر خطاؤں کا صدور ہوتا تھا، سرکار دوعالم ﷺ ان کی خطاؤں کو ملاحظہ بھی فرماتے لیکن کبھی ان پر ناراض نہیں ہوتے اور نہ ہی انہیں جھڑکتے اور نہ سخت وسست کہتے بلکہ نہایت ہی محبت آمیز لب ولہجے میں ان کو صحیح حکم بتاتے اور اس پر عمل کی تاکید فرماتے۔

حضرت معاویہ بن حکم سلمی فرماتے ہیں:

بَيْنَا أَنَا أُصَلِّي مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِذْ عَطَسَ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ،

فَقُلْتُ : يَرْحَمُكَ اللّٰهُ، فَرَمَانِي الْقَوْمُ بِأَبْصَارِهِمْ ، فَقُلْتُ : وَا ثكلَ أُمِّيَاهُ، مَا شَأْنُكُمْ تَنْظُرُونَ إِلَيَّ ؟ فَجَعَلُوا يَضْرِبُونَ بِأَيْدِيهِمْ عَلَى أَفْخَاذِهِمْ ، فَلَمَّا رَأَيْتُهُمْ يُصَمِّتُونَنِي ، لَكِنِّي سَكَتُّ ، فَلَمَّا صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، فَبِأَبِي هُوَ وَأُمِّي ، مَا رَأَيْتُ مُعَلِّمًا قَبْلَهُ ، وَلَا بَعْدَهُ أَحْسَنَ تَعْلِيمًا مِنْهُ ، فَوَاللّٰهِ مَا كَهَرَنِي وَلَا ضَرَبَنِي وَلَا شَتَمَنِي ، قَالَ : إِنَّ هَذِهِ الصَّلَاةَ ، لَا يَصْلُحُ فِيهَا شَيْءٌ مِنْ كَلَامِ النَّاسِ ، إِنَّمَا هُوَ التَّسْبِيحُ وَالتَّكْبِيرُ وَقِرَاءَةُ الْقُرْآنِ" (1)

ترجمہ: معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا، اسی درمیان جماعت میں ایک آدمی کو چھینک آگئی تو میں نے یرحمک اللہ کہہ دیا، لوگوں نے مجھے گھورنا شروع کر دیا، میں نے کہا کاش میری ماں مجھ پر رو چکی ہوتی، تم مجھے کیوں گھور رہے ہو، یہ سن کر وہ لوگ اپنی رانوں پر ہاتھ مارنے لگے، پھر جب میں نے دیکھا کہ وہ لوگ مجھے خاموش کرانا چاہتے ہیں تو میں خاموش ہو گیا، جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے، میرا باپ اور میری ماں آپ پر قربان، میں نے آپ سے پہلے اور آپ کے بعد آپ سے بہتر سکھانے والا نہیں دیکھا، اللہ کی قسم نہ آپ نے جھڑکا اور نہ ہی مجھے مارا اور نہ ہی بُرا بھلا کہا، پھر آپ نے فرمایا: نماز میں لوگوں سے باتیں کرنی درست نہیں، بلکہ نماز میں تو تسبیح، تہلیل، تکبیر اور قرآن کی تلاوت کرنی چاہیے۔

حضرت معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز میں خاموشی اختیار کرنے کے حکم سے ناواقف تھے، صحابہ کے طرز عمل سے انہیں معلوم ہوا کہ ہمارا یرحمك الله کہنا درست نہیں تھا، انہیں امید تھی کہ سرکار اقدس ﷺ نماز کے بعد زجر و توبیخ فرمائیں گے، لیکن مصطفیٰ جان رحمت ﷺ نے ان کے ساتھ بڑا رحیمانہ برتاؤ کیا اور نہ انہیں ڈانٹا نہ سخت وسست کہا بلکہ نماز کا صحیح طریقہ بتایا، حضرت معاویہ بن حکم سلمی اس شفقت و رحمت سے اس قدر متاثر

(1)-مسلم: کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب تحریم الکلام فی الصلاۃ ونسخ ماکان من اباحۃ

ہوئے کہ فرط مسرت میں انہوں نے کہا کہ ہم نے آپ جیسا معلم نہ آپ سے پہلے دیکھا اور نہ آپ کے بعد۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں:

اتانا رسول الله ﷺ فی مسجدنا هذا وفی یده عرجون ابن طاب، فرأی فی قبلة المسجد نخامة فحکها بالعرجون، ثم قبل علینا فقال: ایکم یحب ان یعرض الله عنه؟۔قال: فخشعنا، ثم قال: ایکم یحب ان یعرض الله عنه؟۔قال فخشعنا، ثم قال: ایکم یحب ان یعرض الله عنه؟۔قلنا لا اینا یارسول الله، قال: فان احد کم اذا قام یصلی فان الله تبارك وتعالیٰ قبل وجهه، فلا یبصقن قبل وجهه ولا عن یمینه، ولیبصق عن یساره تحت رجله الیسریٰ، فان عجلت به بادرة فلیقل بثوبه هکذا، ثم طویٰ ثوبه بعضه علیٰ بعض، فقال: ارونی عبیرا، فقام فتی من الحی یشتد الیٰ اهله فجاء بخلوق فی راحته فاخذه رسول الله ﷺ فجعله علیٰ رأس العرجون، ثم لطخ به علیٰ اثر النخامة، فقال جابر: فمن هناك جعلتم الخلوق فی مساجد کم [1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ ہماری مسجد میں تشریف لائے، آپ کے دست مبارک میں ابن طاب (کھجور کی ایک قسم) کی ایک شاخ تھی، آپ نے مسجد کے قبلہ میں رینٹ لگی دیکھی، آپ نے اس شاخ سے اس رینٹ کو کھرچ کھرچ کر صاف کیا، پھر فرمایا: کیا تم میں سے کسی آدمی کو پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے اعراض کرے، حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے کہا ہم سہم گئے، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم میں کسی آدمی کو پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے اعراض کرے، حضرت جابر نے فرمایا کہ ہم ڈر گئے، پھر فرمایا: تم میں سے کسی کو یہ پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے اعراض کرے، ہم نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ ہم میں کسی کو یہ پسند نہیں ہے، آپ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی آدمی کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے چہرے کے سامنے ہوتا ہے، تو کوئی آدمی چہرے کے سامنے نہ تھوکے، نہ دائیں جانب تھوکے، وہ بائیں جانب

(1)-مسلم: کتاب الزهد و الرقاق، باب حدیث جابر الطویل وقصه ابی الیسر

پیر کے نیچے تھوکے، اور اگر تھوک نہ رکے تو کپڑے میں لے کر اس طرح کرلے، آپ نے کپڑے کو لپیٹ کر اور مسل کر دکھایا، پھر فرمایا: مجھے خوشبو دکھاؤ، قبیلے کا ایک نوجوان دوڑتا ہوا گھر گیا اور اپنی ہتھیلی پر کچھ خوشبو لگا کر لایا، رسول اللہ ﷺ نے اس خوشبو کو لے کر اس شاخ پر لگایا، پھر اسی خوشبو کو اس رینٹ کے نشان پر لگایا، حضرت جابر نے کہا، اسی وجہ سے تم لوگ اپنی مسجدوں میں خوشبو کو لگاتے ہو۔

مسجد کی تعظیم وتوقیر واجب ہے، اس میں گندگی پھیلانا حرام ہے، لیکن مصطفیٰ جان رحمت کا رحم وکرم تو دیکھیے کہ آپ نے اس جرم کے مرتکب سے باز پرس نہیں کی اور نہ ہی اسے طلب فرما کر زجر وتوبیخ فرمائی بلکہ بڑے حکیمانہ اسلوب میں بتایا کہ مساجد اللہ کی عبادت کے لیے ہیں، ان میں گندگی پھیلانا درست نہیں ہے، اور خود اپنے دست اقدس سے گندگی کو صاف کر کے موجودین کو درس دیا کہ اگر مسجد میں کوئی ناواقف شخص کوئی ایسا کام کر جائے جو غیر مناسب ہو تو اسے جھڑکنے کے بجائے محبت کے ساتھ سمجھایا جائے، اور اسے عملی درس دیا جائے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

جاء أعرابي، فبال في طائفة المسجد، فزجره الناس، فنهاهم النبي صلى الله عليه وسلم، فلما قضى بوله، أمر النبي صلى الله عليه وسلم بذنوب من ماء، فأهريق عليه.[1]

ایک دیہاتی شخص آیا اور اس نے مسجد کے ایک کونے میں پیشاب کر دیا۔ لوگوں نے اس کو منع کیا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں روک دیا۔ جب وہ پیشاب کر کے فارغ ہوا تو آپ نے اس (کے پیشاب) پر ایک ڈول پانی بہانے کا حکم دیا، پانی اس جگہ بہا دیا

(1)-البخاری: کتاب الوضو، باب صب الماء علی البول فی المسجد . مسلم : کتاب الطهارة،باب وجوب غسل البول وغیره من النجاسات اذاحصلت فی المسجد وان الارض تطهر بالماء من غیر حاجة الی حفرها.

گیا۔

یہ ایسا موقع ہوتا ہے جب بڑا سے بڑا متحمل شخص بھی ناراض ہوکر برا بھلا کہنے لگتا ہے، عام انسانوں کے تحمل وبرداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے، لیکن سرکار اقدس ﷺ عام انسانوں جیسے نہیں تھے، عام انسان کے اخلاق اور اخلاق نبوت میں یہی فرق ہے کہ جہاں عام انسانوں کے اخلاق دم توڑ دیتے ہیں وہاں اخلاق محمدی پوری جلوہ سامانیوں کے ساتھ جگمگاتا نظر آتا ہے۔

گناہ گاروں پر رحم وکرم کے چند شواہد:

علم ہوتے ہوئے بھی شرعی منہیات کا ارتکاب جرم عظیم کہلاتا ہے، ایسے مجرمین کے ساتھ کسی مذہب میں نرم رویہ اختیار نہیں کیا جاتا، لیکن رسول رحمت ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ بتاتا ہے کہ مجرمین کے ساتھ سختی اور نرمی دونوں طرح کا رویہ ہونا چاہیے، یک لخت مجرمین کو کیفر کردار تک پہنچادینا مزید تباہیوں کا باعث ہوتا ہے۔ اسلام نے جرم وسزا کے دفعات میں تدریج کا اصول اسی مقصد کے پیش نظر اپنایا ہے کہ مجرم کو جُرم سے باز آنے کا موقع دیا جائے، اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے پھر اس کے لیے آخری فیصلہ سنایا جائے۔ مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کی خدمت میں بھی مجرمین اعتراف جرم کرتے ہوئے حاضر ہوتے اور کبھی حاضر کیے جاتے تھے، لیکن سرکار دوعالم ﷺ ان کے ساتھ کبھی سختی کا برتاؤ نہیں فرماتے، اصلاح کے جتنے پہلو ہو سکتے انہیں اپناتے، خدائی احکام کی تبلیغ فرماتے، جہاں تک ممکن ہوتا ان کے ساتھ شفقت ورحمت کا برتاؤ کرتے۔ یہ حضرت ابوہریرہ ہیں، بارگاہ نبوی کے حاضر باش ہیں، صحابہ میں سب سے زیادہ حدیثوں کے راوی ہیں، ارشاد فرماتے ہیں:

بینما نحن جلوس عند النبی ﷺ اذجاء رجل فقال: یا رسول اللہ ﷺ هلكت قال: مالك؟، قال: وقعت علىٰ امراته وانا صائم ۔ فقال: رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم : هل تجد رقبة تعتقها؟ قال: لا، قال: فهل تستطیع ان تصوم شهرین متتابعین، قال: لا ، قال: فمكث النبی ﷺ فبینا نحن علىٰ ذلك، اتی النبی ﷺ بعرق

فیہا تمر ۔والعرق۔المکتل۔ قال این السائل؟فقال:انا.قال خذھا فتصدق به.فقال الرجل :اعلیٰ افقر منی یارسول الله ﷺ؟فوالله مابین لابتیھا ۔ یرید الحرتین۔اھل بیت افقر من اھل بیتی، فضحك النبی ﷺحتی بدت انیابه ، ثم قال : اطعمه اھلك[1]

ترجمہ:ہم سرکار دوعالم ﷺ کی مجلس میں حاضر تھے ،اسی درمیان ایک شخص آیا اور سرکار کی بارگاہ میں عرض کیا یارسول اللہ ! میں ہلاک ہوگیا،آپ نے فرمایا،تمہیں کس چیز نے ہلاک کردیا؟ عرض کیا: میں نے روزے کی حالت میں اپنی بیوی سے جماع کرلیا ہے، رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تو ایک غلام آزاد کرسکتا ہے،اس نے کہا نہیں ،سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا دو مہینے مسلسل روزے رکھ سکتا ہے۔اس نے کہا:نہیں۔راوی کہتے کہ ہم آپ کی مجلس ہی میں تھے کہ تھوڑی دیر بعد سرکار ﷺ کی خدمت میں کھجور کی ایک ٹوکری لائی گئی،آپ نے ارشاد فرمایا،سوال کرنے والا شخص کہاں ہے؟اس نے عرض کیا: حضور! حاضر ہوں۔آپ نے ارشاد فرمایا:اسے لو اور صدقہ کردو،اس شخص نے کہا کیا میں اپنے سے زیادہ محتاج پر صدقہ کروں، قسم اللہ کی ، میرے گھر والوں سے زیادہ کوئی محتاج نہیں ، تو رسول کریم ﷺ ہنس پڑے ، یہاں تک آپ کے آگے کے دندان مبارک ظاہر ہوگئے ، پھر ارشاد فرمایا لے جاؤ اسے اپنے اہل خانہ کو کھلادو۔

مذکورہ شخص سے ایک بڑے گناہ کا عمدا صدور ہوا تھا،جس نے رمضان کے دن میں اپنی بیوی سے جماع کرلیا تھا،خود اس نے اعتراف گناہ کرتے ہوئے کہا تھا: یارسول اللہ میں ہلاک ہوگیا،لیکن سرکار اقدس ﷺ نے کسی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا،بلکہ انہیں کفارے بتانے لگے ،جیسے جیسے وہ اپنی مجبوریاں بیان کرتا گیا آپ اس کے لیے آسانیاں فراہم کرتے گئے یہاں تک کہ اس کے لیے کفارہ کا انتظام بھی فرمایا اور اس کے اور اس کے بال بچوں

---

(1)-البخاری: کتاب الصوم، باب اذا جامع فی رمضان ولم یکن له شئی ، فتصدق علیه فلیکفر. مسلم: کتاب الصیام ، باب تغلیظ تحریم الجماع فی نہار رمضان .

کے لیے کھانے کا انتظام بھی ہو گیا، یہ سرکار ﷺ کی رحمت نہیں تو اور کیا ہے، سچ فرمایا، امام عشق و محبت اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ نے

کر کے تمھارے گناہ، مانگیں تمھاری پناہ
تم کہو دامن میں آ، تم پہ کروڑوں درود

خطرناک مجرم کے ساتھ رسول رحمت ﷺ کی یہ داستان رحم وکرم بھی سنتے چلیے:

فتح مکہ کے دن قریب ہیں، لشکر اسلام مکمل طور پر جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہے، جنگی ساز وسامان تیار کیے جا چکے ہیں، جنگی اصولوں کے مطابق فریق مخالف کو جنگی تیاریوں کی اطلاع نہیں ہونی چاہیے، لشکر کی تعداد اور جنگی ہتھیاروں کی کیفیت کا علم نہیں ہونا چاہیے، اگر کوئی اس کی اطلاع دشمنوں تک پہنچاتا ہے تو اسے جاسوس کہا جاتا ہے جس کی سزا صرف قتل ہے، ایک صحابی رسول جن کا نام حاطب بن ابو بلتعہ تھا، انہوں نے فتح مکہ کی جنگی تیاریوں کے درمیان مشرکین مکہ کے پاس مسلمانوں کی تیاریوں کی اطلاع دینے کے لیے ایک قاصد بھیجا، اور کہلا بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک بڑی فوج مکہ پر حملہ کرنے کے لیے تیار کر لی ہے، کسی طرح اس کا علم سرکار اقدس ﷺ کو ہو گیا، حاطب بن ابو بلتعہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیے گئے، آپ نے فرمایا:

یا حاطب ما ھذا؟

حاطب یہ کیا معاملہ ہے؟

حدیث کے الفاظ ہیں:

قال حاطب: یا رسول اللہ ﷺ لا تعجل علی، انی کنت امرأ ملصقا فی قریش، ولم اکن من انفسها، وکان من معك من المهاجرین لهم قرابات بمکة یحمون بها واهلیهم واموالهم، فاحببت اذفاتنی ذلك من النسب فیهم ان اتخذ عندهم یدا یحمون بها قرابتی، وما فعلت کفرا ولا ارتدادا ولا رضا بالکفر بعد الاسلام ۔ فقال رسول اللہ ﷺ لقد صدقکم ، قال عمر: دعنی اضرب عنق

هذا المنافق، قال انه قد شهد بدرا، وما يدريك لعل الله ان يكون قد اطلع على اهل بدر، فقال اعملو ما شئتم فقد غفرت لكم [1]

ترجمہ: حاطب نے کہا یارسول صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم میرے بارے میں عجلت سے کام نہ لیجیے، میں ایک ایسا آدمی ہوں کہ قریش میں آکر رہنے لگا، لیکن قرشی نہیں ہوں، حضور کے ساتھ جو مہاجرین ہیں ان کی اہل مکہ سے رشتے داریاں ہیں جن کے باعث ان کے اہل وعیال اور مال ودولت محفوظ ہیں، پس میں نے چاہا کہ میرا ان سے نسبی تعلق تو ہے نہیں، کیوں نہ ان پر کوئی احسان کروں، جس کے باعث میرے رشتے دار بھی محفوظ رہیں۔ میں نے یہ حرکت کفر یا ارتداد کے باعث نہیں کی اور نہ مسلمان ہونے کے بعد میں کفر سے راضی ہوں، رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: تم نے سچ کہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ عرض گزار ہوئے، یارسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم! حکم فرمائیے کہ میں اس منافق کی گردن اڑادوں، فرمایا: یہ تو غزوہ بدر میں شامل ہوئے تھے اور کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ اہل بدر کے حالات سے باخبر ہوتے ہوئے فرمایا کہ اب تم جو چاہو کرو، میں نے تمہیں بخش دیا ہے۔

حضرت حاطب بن ابوبلتعہ نے اس خطرناک جرم کے لیے جو عذر پیش کیا تھا وہ جرم کی نوعیت کے اعتبار سے لائق التفات اور قابل قبول نہیں تھا، یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروق جو اپنی عدالت وصداقت کے لیے مشہور تھے، انہوں نے سرکار صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم سے حضرت حاطب کی گردن زدنی کی اجازت مانگی، ایسی پوزیشن میں دنیا کا کوئی بھی فرماں روا کوئی عذر قبول نہیں کرتا بلکہ اس کے لیے ایک ہی سزا ہوتی ہے، یعنی سزائے موت، لیکن قربان جائیے سرکار صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی رحمت پر کہ آپ نے اس کا عذر قبول فرمایا، اور کوئی ملامت بھی نہ فرمائی ارشاد فرمایا: قد غفرت لكم۔ میں نے تم کو معاف کردیا۔

دراصل حضرت حاطب بن ابوبلتعہ کے معاملے میں دو پہلو تھے، ایک عدل کا دوسرا رحمت کا، اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے کے مطابق انہیں قتل کردیا جاتا تو یہ

(1)-البخاری: کتاب الجہاد، باب الجاسوس

عدل ہو تا کیوں کہ جرم کی نوعیت کے اعتبار سے سزا کا انتخاب عدل کہلا تا ہے، لیکن رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ مجرم کے گزشتہ کار ناموں پر نظر ڈالی جائے، ان کے سلسلے میں جرم کے سابقہ ریکارڈ کی تحقیق و تفتیش کی جائے اور دیکھا جائے کہ وہ اہل خیر سے ہے یا اہل شر سے، پھر سابقہ ریکارڈ کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کے حق میں فیصلہ سنایا جائے۔ بلا شبہہ عدل کا مقام عظیم ہے لیکن رحمت کا درجہ اس سے بھی بڑھ کر ہے۔

شرعی حدود کے نفاذ میں رحم وکرم:

اسلام نے مختلف گناہوں کی پاداش میں بندوں کے لیے الگ الگ حدود نافذ کیے ہیں، ان حدود کے نفاذ کا مقصد انسانوں کی تذلیل و تحقیر نہیں اور نہ ہی مجرموں کو بے مقصد ایذا پہنچانا ہے، بلکہ حدود کے قیام کا مقصد مجرموں کو جرائم سے باز رکھ کر جرائم کا خاتمہ ہے، جس سماج میں جرائم فروغ پا جائیں، جان ومال عزت وآبرو کے تحفظ کی کوئی گارنٹی نہ ہو وہ پر امن معاشرہ نہیں کہلا سکتا، لہذا اسلام نے ایک پر سکوں اور پر امن معاشرے کے قیام کے لیے سب سے پہلے ان تمام دروازوں کو بند کر دیا جن سے برائیوں کے داخلہ کا امکان تھا، چوری کی سزا میں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا، زنا کی سزا میں سنگ ساری یا کوڑے لگانے کا حکم دیا اور متعدّد گناہوں کے ارتکاب پر کفارے واجب کیے، یہ حدود جہاں مجرمین کے لیے سزا ہیں وہیں معاشرے کے دوسرے افراد کے لیے رحمت بھی ہیں، لہذا یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ حدود جو اللہ نے اپنے بندوں پر لازم کیے ہیں در حقیقت اللہ کی رحمت ہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ اللہ تعالیٰ کے قوانین کو نافذ فرمانے والے تھے، آپ نے حدود کے نفاذ میں جہاں تک گنجائش رہی رحم وکرم سے کام لیا اور سزاؤں میں تخفیف فرماتے رہے۔

واضح رہے کہ قوانین لوگوں کے لیے اسی وقت رحمت ہوتے ہیں جب تک ان کا نفاذ ان اصولوں کے مطابق ہو جو قانون ساز نے تیار کیے ہیں، اگر قوانین کے نفاذ ہی میں بدعنوانی راہ پا جائے تو وہ بے اثر اور بے فیض ہو جاتے ہیں، رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے قوانین کے نفاذ میں خدائی اصولوں کو ملحوظ خاطر رکھا، افراط و تفریط کو کبھی گوارا نہیں

فرمایا، ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ایک ہی طرح کے دو مجرموں کے ساتھ الگ الگ برتاؤ کیا گیا ہو، بعض صحابہ نے قبیلہ بنو مخزوم کی ایک مقتدر خاتون کی سفارش کی تاکہ چوری کے جرم میں ان کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں تو سرکار ﷺ سخت ناراض ہوئے اور ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا:

انما اهلك الذين قبلكم انهم كانوا اذا سرق فيهم الشريف تركوه واذا سرق فيهم الضعيف اقاموا عليه الحدود وايم الله لو ان فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها[1]

ترجمہ: بے شک تم سے پہلے کے لوگ اسی لیے ہلاک ہوئے تھے کہ جب کوئی مال دار چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے اور اگر کوئی غریب چوری کرتا تو اس پر حد قائم کردیتے۔ خدا کی قسم اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں ان کا ہاتھ کاٹ دیتا۔

یہ بات بھی ذہن نشیں رہنی چاہیے کہ سرکار اقدس ﷺ نے حدود کے قیام میں احتیاط برتنے کا حکم دیا، ایسا نہیں ہے کہ آپ حدود کے قیام کے متمنّی اور مشتاق رہتے، بلکہ جہاں تک ممکن ہو تا عفو و درگزر سے کام لیتے، ایک موقع پر ارشاد فرمایا:

ادرءوا الحدود عن المسلمين ما ستطعتم، فان كان له مخرج فخلوا سبيله، فان الامام ان يخطى في العفو خير من ان يخطى في العقوبة[2]

ترجمہ: جہاں تک ممکن ہو مسلمانوں سے حدود کو دفع کرو، اگر حدود سے محفوظ رکھنے کی کوئی سبیل ہو تو محفوظ رکھو، اس لیے کہ امام کا عفو میں خطا کرنا سزا میں خطا کرنے سے بہتر ہے۔

جب تک کہ جرم کا مکمل ثبوت نہیں ہو جاتا آپ حد قائم نہیں فرماتے، آپ عفو و درگزر کو ترجیح دیا کرتے اور معاف کرنے پر اپنے صحابہ کو ابھارا کرتے، آپ نے ارشاد فرمایا:

تعافوا الحدود فيما بينكم، فما بلغني من حد فقد وجب[3]

(1)-البخاری: کتاب الانبیاء، باب ام حسبت ان اصحب الکھف و الرقیم

(2)-الترمذی: ١٤٢٤

(3)-ابو داؤد: ٤٣٧٦

ترجمہ:آپس میں حدود کو معاف کر دیا کرو، اس لیے کہ جس حد کا معاملہ مجھ تک پہنچ جائے وہ واجب ہو جاتی ہے۔

صاحب الدر المنثور حضرت امام عبد الرحمن بن ابو بکر جلال الدین سیوطی [1] اس حدیث کی تعلیق میں فرماتے ہیں:

ای تجاوزوا عنها ولا ترفعوها فانی متی علمتها اقمتها [2]

ترجمہ:یعنی آپس ہی میں رفع دفع کر لیا کرو، میرے پاس نہ پہنچایا کرو، اس لیے کہ جب مجھے معلوم ہو جائے تو میں حد قائم کر دوں گا۔

اس مفہوم کی وضاحت اس واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو حضرت صفوان بن امیہ کے ساتھ پیش آیا، ایک شخص نے ان کی چادر چرالی، انہوں نے اس کی شکایت سرکار اقدس ﷺ سے کی، چوری کا ثبوت مل جانے کے بعد آپ نے اس شخص کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا، حضرت صفوان نے جب دیکھا کہ اس شخص کا ہاتھ کاٹ لیا جائے گا تو رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں عرض گزار ہوئے:

یارسول اللہ ﷺ! لم ارد هذا، ردائی علیه صدقة، فقال رسول الله ﷺ فهلا قبل ان تاتینی به۔ [3]

ترجمہ: یارسول اللہ ﷺ! میرا مقصد یہ نہیں تھا، میں اپنی چادر اس پر صدقہ کرتا

---

(1)-جلال الدین سیوطی (یکم رجب المرجب 849ھ - 19 جمادی الاول 911ھ/ 2اکتوبر1445ء - 7اکتوبر1505ء) اصل نام عبدالرحمٰن، کنیت ابوالفضل، لقب جلال الدین، اور عرف ابن کتب تھا۔ ایک مفسر، محدث، فقیہ اور مورخ تھے۔ آپ کی کثیر تصانیف ہیں، آپ کی کتب کی تعداد 500 سے زائد ہے۔ [تفسیر جلالین اور تفسیر در منثور کے علاوہ قرآنیات پر الاتقان فی علوم القرآن علماء میں کافی مقبول ہے اس کے علاوہ تاریخ اسلام پر تاریخ الخلفاء مشہور ہے۔

(2)-عون المعبو دفی شرح سنن ابی داؤد ۲۷/۱۲

(3)-النسائی: ٤٨٨٤

ہوں، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تو یہ میرے پاس لانے سے پہلے کیوں نہیں کر لیا۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان در حقیقت مسلمانوں کو معافی اور رحم وکرم کی رغبت دلاتا ہے کہ اگر تمھارا کوئی بھائی خطا کر بیٹھے اور اسے معاف کرنا تمھاری قدرت میں ہو تو تمہیں معاف کر دینا چاہیے، اگر تم اس کا معاملہ حاکم اسلام کی بارگاہ میں پیش کرو گے وہاں سے سزا ضرور ملے گی، یہ امت پر سرکار ﷺ کا حد درجہ رحم وکرم ہے۔

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کا واقعہ بھی ہمیں بتاتا ہے کہ سرکار اقدس ﷺ حدود کے نفاذ میں بھی اپنی امت پر رحم وکرم کا خیال فرمایا کرتے تھے، حضرت ماعز سے جب زنا کا صدور ہوا تو ان کے ہم نشیں ہزّال بن یزید بن ذباب سلمی نے انہیں باصرار آمادہ کیا کہ وہ سرکار ﷺ کی بارگاہ میں جائیں اور اپنے گناہ کی اطلاع دیں تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے سلسلے میں کوئی حکم نازل فرمائے، انہی کے اصرار پر حضرت ماعز سرکار اقدس ﷺ کی بارگاہ میں پہنچے اور سرکار نے اعتراف گناہ کے بعد ان کی سنگساری کا حکم فرمایا، لیکن ساتھ ہی ہزّال سے مخاطب ہو کر فرمایا:

واللہ یا ھزّال لو کنت سترتہ بثوبك لکان خیر مما صنعت بہ [1]

ترجمہ: قسم اللہ کی اے ہزال اگر تم ان کی ستر پوشی کر لیتے تو اس سے بہتر ہوتا جو تم نے کیا۔

حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کی سنگساری کے واقعے میں کئی جہتوں سے سرکار کی رحمت و شفقت عیاں ہوتی ہے اس لیے میں چاہتا ہوں کہ اس پورے واقعے کو حدیث پاک کی روشنی میں ذکر کر کے اس میں پنہاں رحم وکرم کے پہلوؤں کو واضح کروں۔

بریدہ بن حصیب کی روایت ہے:

جاء ماعز بن مالك الی رسول اللہ ﷺ فقال: یارسول اللہ طھرنی، فقال: ویحك !ارجع فاستغفر اللہ وتب الیہ، قال: فرجع غیر بعید، ثم جاء، فقال: یارسول اللہ، طھرنی، فقال رسول اللہ ﷺ: ویحك !ارجع فاستغفر اللہ وتب الیہ، قال: فرجع غیر

(1)-موطا امام مالك

بعید، ثم جاء فقال یارسول اللہ طھرنی،فقال النبی مثل ذلك،حتی اذا کانت الرابعة قال له رسول اللہ ﷺ فیم اطھرك ؟فقال من الزانی فسأ رسول اللہ ﷺ: ابی جنون، فاخبر انه لیس بمجنون، فقال: اشرب خمرا ؟فقام رجل فاستنکهه فلم یجد منه ریح خمر ،قال فقال رسول اللہ ﷺ:ازنیت ؟فقال:نعم [1]

ترجمہ: حضرت ماعز بن مالک نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے پاک کردیجیے، آپ نے فرمایا: تمھیں ہلاکت ہو، جاؤ اللہ سے استغفار کرو اور توبہ کرو، انہوں نے پھر تھوڑی دیر بعد واپس آکر کہا: یارسول اللہ ﷺ! مجھے پاک کردیجیے، نبی کریم ﷺ نے پھر اسی طرح فرمایا، حتی کہ چوتھی بار ان سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تم کو کس چیز سے پاک کروں، انہوں نے کہا: زنا سے، پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کے متعلق پوچھا، کیا ان کا دماغ خراب ہے ؟لوگوں نے کہا نہیں، وہ کوئی پاگل نہیں ہیں، آپ نے پوچھا: کیا اس نے شراب پی ہے ؟ایک شخص نے کھڑے ہوکر ان کا منھ سونگھا تو شراب کی بدبو محسوس نہیں کی، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم نے زنا کیا ہے ؟انہوں نے کہا: ہاں۔

مقام غور ہے کہ حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ اعتراف زنا کرتے ہوئے سرکار اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، انہیں اعتراف گناہ پر مجبور نہیں کیا گیا تھا، وہ چاہتے تھے کہ گناہ سے پاک ہوکر اپنی آخرت سنوار لیں، سرکار اقدس ﷺ سے انہوں نے طھرنی یعنی مجھے پاک کردیجیے کہا، آپ کو پہلی ہی بار میں معلوم ہوگیا تھا کہ اس نے کوئی بڑا گناہ کیا ہے، کیوں کہ ان کے چہرے کے رنگ اور آواز کی کیفیت ہی سے پتہ چل گیا تھا کہ جرم عظیم ہے لیکن اس کے باوجود آپ نے ان سے یہ نہیں پوچھا کہ کون سا جرم کرکے آرہے ہو؟ بلکہ فرمایا کہ جاؤ اپنے رب کی بارگاہ میں استغفار کرو، لیکن حضرت ماعز اعتراف جرم پر مصر تھے، چوتھی بار میں انہوں نے اپنے جرم کی صراحت بھی کردی، اس کے باوجود ان کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں فرمائی، بلکہ حاضرین سے ان کی عقل کے بارے میں سوال کیا کہ کہیں جنون میں تو مبتلا نہیں ہیں،

(1)-مسلم: کتاب الحدود، باب من اعترف علیٰ نفسه الزنا

لوگوں نے بتایا کہ جنون میں نہیں ہیں تو استفسار فرمایا کہ کہیں شراب تو نہیں پی لی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ شراب بھی نہیں پی ہے، جب حد جاری نہ کرنے کے سارے راستے مسدود ہو گئے تو سرکار اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حد جاری کرنے کا حکم فرمایا، یہ آپ کی رحمت کا عظیم مظاہرہ ہے کہ آپ نے ایک مجرم پر یوں ہی حد جاری نہیں فرمائی بلکہ انہیں حد سے بچنے کا پورا پورا موقع فراہم کیا، بلکہ دوسری روایت کے مطابق سرکار صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے حضرت ماعز سے فرمایا غور کرلو کہیں ایسا تو نہیں کہ تم نے صرف بوسہ لیا ہو یا اشارہ کیا ہو یا نظر ڈالی ہو جب انہوں نے انکار کیا تو حد کا حکم فرمایا:

حدیث کے الفاظ ہیں:

حاول رسول الله ﷺ ان یجد له مخرجا حتی بعد اعترافه بالزنی، فقال رسول الله ﷺ له: لعلك قبلت او غمزت او نظرت، قال: لا [1]

ترجمہ: رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے چاہا کہ ماعز کے لیے کوئی سبیل نکل آئے اسی لیے آپ نے ماعز سے اس کے اعتراف زنا کے باوجود کہا کہ شاید تم نے بوسہ لیا ہو یا نظر ڈالی ہو، ماعز نے کہا نہیں۔

جس دن حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنگسار کیا گیا، اسی دن شام کو سرکار صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے صحابہ سے ایک بلیغ خطبہ ارشاد فرمایا جس میں آپ نے حد زنا کے نفاذ کے اسباب پر روشنی ڈالی اور واضح فرمایا کہ دراصل حد کے قیام کا مقصد معاشرے کو ذلت سے بچانا ہے، جب زنا کا صدور ہوتا ہے تو کئی خاندانوں کی عزت تار تار ہوتی ہے، باپ، بھائی، خویش واقارب کا سر شرم سے جھک جاتا ہے، زنا کے نتیجے میں ایک جان وجود میں آتی ہے، جسے زندگی بھر ذلت ورسوائی کی زندگی گزارنی پڑتی ہے، حالاں کہ اس کا کوئی قصور نہیں ہوتا، اس لیے ان مفاسد کے ازالہ کے لیے حد کا قیام ضروری ہے، حد کا قیام دراصل انسانوں پر رحمت ہے، شریعت انسانوں کی ہلاکت کا باعث نہیں بلکہ سراپا رحمت ہے۔

حضرت ماعز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جرم کیا تھا، ایک عظیم جرم، لیکن سرکار صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم

---

(1)-البخاری: کتاب المحار بین من اهل اکفر والردة، باب هل یقول الامام للمقر لمست او غمزت

کی ان کے ساتھ رحمت وشفقت ملاحظہ فرمائیں، آپ نے حضرت ماعز کو برا بھلا کہنے والوں پر سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

سمع النبی ﷺ رجلین من اصحابه یقول احدهما لصاحبه: انظر الیٰ هذا الذی ستر الله علیه؛ فلم تدعه نفسه حتی رجم رجم الکلب، فسکت عنهما، ثم سار ساعة حتی مرّ بجیفة حمار شائل برجله فقال: این فلان وفلان؟ فقالا: نحن ذان یارسول الله۔ قال: انزلا فکلا من جیفة هذا الحمار، فقالا: یانبی الله، من یاکل من هذا؟ قال: فلما نلتما من عرض اخیکما انفا اشد من اکل منه، والذی نفسی بیده انه الآن لفی انهار الجنة ینقمس فیها [1]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ میں سے دو اشخاص کو ایک دوسرے سے کہتے ہوئے سنا کہ، اس شخص (ماعز) کو دیکھو، اللہ تعالیٰ نے اس کی پردہ پوشی فرمائی، لیکن اس سے رہا نہ گیا، یہاں تک کہ کتے کی طرح اس کا رجم کیا گیا، نبی کریم ﷺ نے یہ بات سن کر خاموشی اختیار فرمائی، پھر کچھ دور آگے بڑھے تو ایک مردہ گدھے پر گزر ہوا، جو اوپر ٹانگ اٹھائے ہوئے تھا، یعنی پھول گیا تھا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ فلاں فلاں کہاں ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ہم حاضر ہیں، فرمایا: تم دونوں اترو اور اس مردار گدھے کی نعش سے کھاؤ، ان دونوں نے عرض کیا، یارسول اللہ! اس میں سے کون کھا سکتا ہے، آپ نے ارشاد فرمایا: ابھی جو تم نے اپنے بھائی کی بے آبروئی کی ہے وہ اس گدھے کی نعش کھانے سے زیادہ سخت ہے، قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، بے شک وہ اس وقت جنت کی نہروں میں غوطے لگا رہا ہے۔

حضرت ماعز کی توبہ کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لقد تاب توبة لو قسمت بین امة لوسعتهم [2]

(1)-الترغیب والترهیب کتاب آفات اللسان من الغیبة ۵۰۹۳، دارا حیاء التراث العربی بیروت

(2)-مسلم: کتاب الحدود، باب من اعترف علیٰ نفسه بالزنا

ترجمہ: ماعز نے ایسی توبہ کی ہے اگر اس کو تمام امت پر تقسیم کر دیا جائے تو اس پر کافی ہوگی۔

حضرت ماعز کو برا بھلا کہنے والوں کے ساتھ سختی کا برتاؤ اور ان کا دفاع یقیناً سرکار ﷺ کی رحمت ہے، حد جسے ہم سزا بھی کہتے ہیں، رسول کریم ﷺ نے اسے بھی اپنی رحمت کے فیضان سے محروم نہیں رکھا۔

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ : وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿١٠٧﴾

☆☆☆

رسول اللہ ﷺ کا
اپنے حق میں خطا کرنے والوں پر رحم وکرم

عام طور پر انسان دوسروں کو معافی اور رحم وکرم کی تعلیم دیتا ہے، لیکن جب مجرم اسی کے معاملے میں ماخوذ ہوتا ہے تو اپنے ہی بتائے ہوئے اصولوں پر قائم نہیں رہ پاتا ،جب عزت نفس کی بات آتی ہے تو وہ بھی عام لوگوں کی صف میں کھڑا نظر آتا ہے، لیکن مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کی سیرت طیبہ اس سلسلے میں بھی امتیازی حیثیت کی حامل ہے، آپ جہاں عام انسانوں کے معاملات میں عفو ودرگزر کی تعلیم دیتے ہیں وہیں خود اپنے معاملات میں بھی رحم وکرم اور عفو ودرگزر کا ناقابل فراموش کردار ادا کرتے نظر آتے ہیں ۔آپ کے سایہ رحمت میں اپنے بھی ہیں غیر بھی ،اہل خانہ بھی ہیں اور اصحاب کرام بھی، یہ داستان بڑی طویل ہے، ہم یہاں چند نظیریں پیش کرنے پر اکتفا کریں گے۔

سرکار دوعالم ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ حسن معاشرت کا مظاہرہ فرماتے ،عدل وانصاف اور مساوات میں آپ کا ہمسر کون ہو سکتا ہے؟ صنف نازک کی جو فطری جبلتیں ہوتی ہیں، بعض موقعوں پر ان کا ظہور جب آپ کی ازواج سے ہوا تو آپ نے بڑے ہی رحم وکرم کا مظاہرہ فرمایا اور محبت آمیز تنبیہ بھی فرمائی، ایسا نہیں ہوا کہ ان کے بعض رویوں کی وجہ سے آپ کو رنج ہوا اور آپ نے انہیں طلاق دے دی، بلکہ آپ نے ان کی اصلاح بھی فرمائی اور شفقت بھری تنبیہ بھی، ام المومنین حضرت زینب بنت جحش کے یہاں آپ جب تشریف لے جاتے تو وہ آپ کی خدمت میں شہد پیش کیا کرتیں، اس ذریعے آپ ان کے یہاں کچھ دیر زیادہ تشریف فرما ہوتے ، یہ بات حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کو ناگوار گزری اور انہیں رشک ہوا، انہوں نے باہمی مشورہ کیا کہ جب حضور تشریف فرما ہوں تو عرض کیا جائے کہ دہن

مبارک سے مغافیر[1] کی بو آتی ہے، مغافیر کی بو نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو ناپسند تھی، چنانچہ مشورے پر عمل کیا گیا، حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو ان کا منشا معلوم تھا، فرمایا کہ مغافیر تو میرے قریب نہیں آیا، البتہ زینب کے یہاں میں نے شہد پیا ہے، اس کو میں اپنے اوپر حرام کرتا ہوں، مقصد یہ کہ زینب کے یہاں شہد نوش کرنے سے تمھاری دل شکنی ہوتی ہے تو ہم شہد ہی ترک کر دیتے ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وكنامعشر قريش نغلب النساء، فلماقدمناعلى الأنصار إذا هم قوم تغلبهم نساؤهم، فطفق نساؤنايأخذن من أدب نساء الأنصار، فصحت على امرأتي، فراجعتني، فأنكرت أن تراجعني، فقالت ولم تنكر أن أراجعك فوالله إن أزواج النبي صلى الله عليه وسلم ليراجعنه، وإن إحداهن لتهجره اليوم حتى الليل. فأفزعني، فقلت خابت من فعل منهن بعظيم. ثم جمعت على ثيابي، فدخلت على حفصة فقلت أي حفصة، أتغاضب إحداكن رسول الله صلى الله عليه وسلم اليوم حتى الليل فقالت نعم. فقلت خابت وخسرت، أفتأمن أن يغضب الله لغضب رسوله صلى الله عليه وسلم فتهلكين لا تستكثري على رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا تراجعيه في شيء ولا تهجريه، واسأليني ما بدا لك، ولا يغرنك أن كانت جارتك هي أوضأ منك وأحب إلى رسول الله صلى الله عليه وسلم. يريد عائشة. وكنا تحدثنا أن غسان تنعل النعال لغزونا، فنزل صاحبي يوم نوبته فرجع عشاء، فضرب بابي ضربا شديدا، وقال أنائم هو ففزعت فخرجت إليه. وقال حدث أمر عظيم. قلت ما هو أجاءت غسان قال لا، بل أعظم منه وأطول، طلق رسول الله صلى الله عليه وسلم نساءه. قال قد خابت حفصة وخسرت، كنت أظن أن هذا يوشك أن يكون، فجمعت على ثيابي، فصليت صلاة الفجر مع النبي صلى الله عليه وسلم فدخل مشربة

(1)۔ مغافیر ایک پھول ہوتا ہے جسے شہد کی مکھی چوستی ہے، اس میں تھوڑی بو آتی ہے جو آپ کو ناپسند تھی۔

له فاعتزل فيها، فدخلت على حفصة، فإذا هي تبكي. قلت ما يبكيك أولم أكن حذرتك أطلقكن رسول الله صلى الله عليه وسلم قالت لا أدرى هو ذا في المشربة. فخرجت، فجئت المنبر، فإذا حوله رهط يبكي بعضهم، فجلست معهم قليلا ثم غلبني ما أجد، فجئت المشربة التي هو فيها فقلت لغلام له أسود استأذن لعمر. فدخل، فكلم النبي صلى الله عليه وسلم ثم خرج فقال ذكرتك له، فصمت، فانصرفت حتى جلست مع الرهط الذين عند المنبر، ثم غلبني ما أجد فجئت، فذكر مثله، فجلست مع الرهط الذين عند المنبر، ثم غلبني ما أجد فجئت الغلام. فقلت استأذن لعمر. فذكر مثله، فلما وليت منصرفا، فإذا الغلام يدعوني قال أذن لك رسول الله صلى الله عليه وسلم. فدخلت عليه، فإذا هو مضطجع على رمال حصير ليس بينه وبينه فراش، قد أثر الرمال بجنبه، متكئ على وسادة من أدم حشوها ليف، فسلمت عليه، ثم قلت وأنا قائم طلقت نساءك فرفع بصره إلى، فقال "لا". ثم قلت، وأنا قائم أستأنس يا رسول الله، لو رأيتني، وكنا معشر قريش نغلب النساء، فلما قدمنا على قوم تغلبهم نساؤهم، فذكره فتبسم النبي صلى الله عليه وسلم، ثم قلت لو رأيتني، ودخلت على حفصة، فقلت لا يغرنك أن كانت جارتك هي أوضأ منك وأحب إلى النبي صلى الله عليه وسلم. يريد عائشة. فتبسم أخرى، فجلست حين رأيته تبسم. [1]

ترجمہ: ہم قریش کے لوگ (مکہ میں) اپنی عورتوں پر غالب رہا کرتے تھے۔ لیکن جب ہم (ہجرت کر کے) انصار کے یہاں آئے تو انہیں دیکھا کہ ان کی عورتیں خود ان پر غالب تھیں۔ ہماری عورتوں نے بھی ان کا طریقہ اختیار کرنا شروع کر دیا۔ میں نے ایک دن اپنی بیوی کو ڈانٹا تو انہوں نے بھی اس کا جواب دیا۔ ان کا یہ جواب مجھے ناگوار معلوم ہوا۔ لیکن

(1)-البخاری: کتاب الحدود، باب اقامة الحدود والانتقام لحرمات الله ، ومسلم کتاب الفضائل: باب مباعدته للآثام

انہوں نے کہا کہ میں اگر جواب دیتی ہوں تو تمہیں ناگواری کیوں ہوتی ہے؟قسم اللہ کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج تک آپ کو جواب دے دیتی ہیں اور بعض بیویاں تو آپ سے پورے دن اور پوری رات خفا رہتی ہیں۔ اس بات سے میں بہت گھبرایا اور میں نے کہا کہ ان میں سے جس نے بھی ایسا کیا ہوگا وہ بہت بڑے نقصان اور خسارے میں ہے۔ اس کے بعد میں نے کپڑے پہنے اور حفصہ رضی اللہ عنہا (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی اور ام المؤمنین) کے پاس پہنچا اور کہا اے حفصہ! کیا تم میں سے کوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پورے دن رات تک ناراض رہتی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ہاں! میں بول اٹھا کہ پھر تو وہ تباہی اور نقصان میں رہیں۔ کیا تمہیں اس سے امن ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی خفگی کی وجہ سے (تم پر) ناراض ہو جائے اور تم ہلاک ہو جاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ چیزوں کا مطالبہ ہرگز نہ کیا کرو، نہ کسی معاملہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات کا جواب دو اور نہ آپ پر خفگی کا اظہار ہونے دو، البتہ جس چیز کی تمہیں ضرورت ہو وہ مجھ سے مانگ لیا کرو، کسی خود فریبی میں مبتلا نہ رہنا، تمھاری یہ پڑوسن تم سے زیادہ جمیل اور نظیف ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ پیاری بھی ہیں۔ آپ کی مراد عائشہ رضی اللہ عنہا سے تھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا، ان دنوں یہ چرچا ہو رہا تھا کہ غسان کے فوجی ہم سے لڑنے کے لیے گھوڑوں کو سم لگا رہے ہیں۔ میرے پڑوسی ایک دن اپنی باری پر مدینہ گئے ہوئے تھے۔ پھر عشاء کے وقت واپس لوٹے۔ آکر میرا دروازہ انہوں نے بڑی زور سے کھٹکھٹایا، اور کہا کیا آپ سو گئے ہیں؟ میں بہت گھبرایا ہوا باہر آیا انہوں نے کہا کہ ایک بہت بڑا حادثہ پیش آگیا ہے۔ میں نے پوچھا کیا ہوا؟ کیا غسان کا لشکر آگیا؟ انہوں نے کہا بلکہ اس سے بھی بڑا اور سنگین حادثہ، وہ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی۔ یہ سن کر عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا، حفصہ تو تباہ و برباد ہو گئی۔ مجھے تو پہلے ہی کھٹکا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو جائے (عمر رضی اللہ عنہ نے کہا) پھر میں نے کپڑے پہنے۔ صبح کی نماز رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھی (نماز پڑھتے ہی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بالا خانہ میں

تشریف لے گئے اور وہیں تنہائی اختیار کرلی۔ میں حفصہ کے یہاں گیا، دیکھا تو وہ رو رہی تھیں، میں نے کہا، روکیوں رہی ہو؟ کیا پہلے ہی میں نے تمہیں نہیں کہہ دیا تھا؟ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سب کو طلاق دے دی ہے؟ انہوں نے کہا کہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔ آپ بالاخانہ میں تشریف رکھتے ہیں۔ پھر میں باہر نکلا اور منبر کے پاس آیا۔ وہاں کچھ لوگ موجود تھے اور بعض رو بھی رہے تھے۔ تھوڑی دیر تو میں ان کے ساتھ بیٹھا رہا۔ لیکن مجھ پر رنج کا غلبہ ہوا، اور میں بالاخانے کے پاس پہنچا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سیاہ غلام سے کہا، (کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہو) کہ عمر اجازت چاہتا ہے۔ وہ غلام اندر گیا اور آپ سے گفتگو کرکے واپس آیا اور کہا کہ میں نے آپ کی بات پہنچادی تھی، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے، چنانچہ میں واپس آکر انہیں لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا جو منبر کے پاس موجود تھے۔ پھر مجھ پر رنج غالب آیا اور میں دوبارہ آیا۔ لیکن اس دفعہ بھی وہی ہوا۔ پھر آکر انہیں لوگوں میں بیٹھ گیا جو منبر کے پاس تھے۔ لیکن اس مرتبہ پھر مجھ سے نہیں رہا گیا اور میں نے غلام سے آکر کہا، کہ عمر کے لیے اجازت چاہو۔ لیکن بات جوں کی توں رہی۔ جب میں واپس ہو رہا تھا کہ غلام نے مجھ کو پکارا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو اجازت دے دی ہے۔ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ کھجور کی چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے۔ جس پر کوئی بستر بھی نہیں تھا۔ اس لیے چٹائی کے ابھرے ہوئے حصوں کا نشان آپ کے پہلو میں پڑ گیا تھا۔ آپ اس وقت ایک ایسے تکیے پر ٹیک لگائے ہوئے تھے جس کے اندر کھجور کی چھال بھری گئی تھی۔ میں نے آپ کو سلام کیا اور کھڑے ہی کھڑے عرض کی، کہ کیا آپ نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے؟ آپ نے نگاہ میری طرف کرکے فرمایا کہ نہیں۔ میں نے آپ کے غم کو ہلکا کرنے کی کوشش کی اور کہنے لگا.... اب بھی میں کھڑا ہی تھا.... یارسول اللہ! آپ جانتے ہی ہیں کہ ہم قریش کے لوگ اپنی بیویوں پر غالب رہتے تھے، لیکن جب ہم ایک ایسی قوم میں آگئے جن کی عورتیں ان پر غالب تھیں، پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تفصیل ذکر کی۔ اس بات پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے۔ پھر میں نے کہا میں

حفصہ کے یہاں بھی گیا تھااور اس سے کہہ آیا تھا کہ کہیں کسی خودفریبی میں نہ مبتلا رہنا۔ یہ تمھاری پڑوسن تم سے زیادہ خوبصورت اور پاک ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادہ محبوب بھی ہیں۔ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف اشارہ کررہے تھے۔ اس بات پر آپ دوبارہ مسکرادیئے۔

اس طویل حدیث پاک کے ایک ایک سطر پر غور کریں اور دیکھیں کہ ازواج مطہرات سے ایک ایسے عمل کا صدور ہوا تھا جو مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کی ناراضگی کا باعث تھا، لیکن سرکار اقدس ﷺ نے اپنی ازواج کے ساتھ کیسا مشفقانہ اور حکیمانہ برتاؤ کیا کہ ان کی اصلاح بھی ہوگئی اور انہیں اپنے آپ سے ہمیشہ کے لیے جدا بھی نہیں کیا۔

صلح حدیبیہ کا تاریخ اسلام میں بڑا مقام ہے، صلح حدیبیہ بظاہر مشرکین مکہ کی شرطوں پر کیا گیا تھا، ان کی ہر ہر شرط کو تسلیم کرلیا گیا، اکثر صحابہ کرام کو یہ محسوس ہورہا تھا کہ یہ صلح ایک طرح سے کافروں سے دبنے کے مترادف ہے جو مسلمانوں کی غیرت ایمانی کے خلاف ہے، اسی لیے حضرت عمر نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے اپنی بے چینی کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا، اے ابوبکر کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول نہیں؟ کیا ہم مسلمان نہیں؟ کیا مکہ والے مشرک نہیں؟ آخر کیا وجہ ہے کہ ہم دب کر صلح کررہے ہیں؟ انہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے سمجھایا کہ وہ اللہ کے رسول ہیں، کوئی کام اللہ کے حکم کے بغیر نہیں کرتے، آپ کی اس وضاحت کے بعد انہیں اطمینان ہوا، صلح حدیبیہ ہوجانے کے بعد کیا ہوا، حدیث کی روشنی میں سنیے:

فلما فرغ من قضية الكتاب قال رسول الله صلى الله عليه وسلم لأصحابه " قوموا فانحروا، ثم احلقوا ". قال فوالله ما قام منهم رجل حتى قال ذلك ثلاث مرات، فلما لم يقم منهم أحد دخل على أم سلمة، فذكر لها ما لقي من الناس. فقالت أم سلمة يا نبي الله، أتحب ذلك اخرج ثم لا تكلم أحدا منهم كلمة حتى تنحر بدنك، وتدعو حالقك فيحلقك. فخرج فلم يكلم أحدا منهم، حتى فعل ذلك

نحر بدنه، ودعا حالقه فحلقه. فلما رأوا ذلك، قاموا فنحروا، وجعل بعضهم يحلق بعضا، حتى كاد بعضهم يقتل بعضا غما،[1]

پھر جب صلح نامہ سے آپ فارغ ہو چکے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ اب اٹھو اور (جن جانوروں کو ساتھ لائے ہو ان کی) قربانی کر لو اور سر بھی منڈوالو۔ انہوں نے بیان کیا کہ اللہ گواہ ہے صحابہ میں سے ایک شخص بھی نہ اٹھا اور تین مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ فرمایا۔ جب کوئی نہ اٹھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ام سلمہ کے خیمہ میں گئے اور ان سے لوگوں کے طرز عمل کا ذکر کیا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا: اے اللہ کے نبی! کیا آپ یہ پسند کریں گے کہ باہر تشریف لے جائیں اور کسی سے کچھ نہ کہیں بلکہ اپنا قربانی کا جانور ذبح کر لیں اور اپنے حجام کو بلا لیں جو آپ کے بال مونڈ دے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے۔ کسی سے کچھ نہیں کہا اور سب کچھ کیا، اپنے جانور کی قربانی کر لی اور اپنے حجام کو بلوایا جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مونڈے۔ جب صحابہ نے دیکھا تو وہ بھی ایک دوسرے کے بال مونڈنے لگے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ رنج و غم میں ایک دوسرے سے لڑ پڑیں گے۔

تاریخ میں ایسا پہلی بار ہوا کہ سرکار ﷺ نے حکم دیا اور صحابہ نے اس پر عمل کرنے میں تامل اور توقف کیا، اگرچہ ان کا یہ عمل کسی سستی اور دنیا طلبی کے لیے نہیں بلکہ غیرت ایمانی ہی کی وجہ سے تھا لیکن بہر حال یہ عمل ایسا تھا کہ اگر کوئی دوسرا امیر ہوتا تو اسے اپنے زیر قیادت لشکر کی بغاوت قرار دے کر انہیں مستحق سزا قرار دیتا، لیکن سرکار ﷺ علیہ وسلم نے انہیں ایک لفظ بھی نہیں کہا اور نہ ہی ان پر ناراضگی کا اظہار فرمایا بلکہ اپنی زوجہ محترمہ سے اس صورت حال کا تذکرہ کیا، جو صحابہ کرام کی حد درجہ محبت سے واقف تھیں، انہوں نے بھی کسی تعزیر کا مشورہ نہیں دیا بلکہ ایسی حکمت عملی بتائی کہ سارے صحابہ کرام کو اپنی رائے کی عدم درستگی

---

(1)-البخاری: کتاب الشروط، باب الشروط فی الجهاد والمصالحة مع اهل الحرب وکتابة الشرط

کا احساس ہو گیا اور انہوں نے حلق کرانے میں عجلت سے کام لینے کی کوشش کی۔

اپنے خطا کاروں کے ساتھ رحم وکرم کے دو شواہد پیش کیے گئے ان میں سے ایک کا تعلق آپ کی ازواج مطہرات سے تھا دوسرے کا تعلق آپ کے صحابہ کرام کے ساتھ، یہاں کوئی تنگ نظر یہ اعتراض کر سکتا ہے کہ اپنوں پر رحم وکرم اور عفو ودر گزر تو انسانی طبیعت کا تقاضا ہے، جو ہر انسان کے ساتھ پایا جاتا ہے، اس لیے یہاں کچھ ایسے شواہد پیش کرنا مناسب سمجھتا ہوں جن کا تعلق ناآشنا لوگوں سے ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

قال كنت أمشي مع النبي صلى الله عليه وسلم وعليه برد نجراني غليظ الحاشية. فأدركه أعرابي فجذبه جذبة شديدة. حتى نظرت إلى صفحة عاتق النبي صلى الله عليه وسلم قد أثرت به حاشية الرداء من شدة جذبته. ثم قال مر لي من مال الله الذي عندك. فالتفت إليه. فضحك ثم أمر له بعطاء.[1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہا تھا۔ آپ نجران کی بنی ہوئی چوڑے حاشیہ کی ایک چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ایک دیہاتی نے آپ کو گھیر لیا اور زور سے کھینچا، میں نے آپ کے شانے کو دیکھا، زور سے کھینچنے کی وجہ سے اس پر چادر کے کونے کا نشان پڑ گیا۔ پھر کہنے لگا۔ اللہ کا مال جو آپ کے پاس ہے اس میں سے کچھ مجھ کو دلائیے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا اور ہنس دیئے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دینے کا حکم فرمایا۔

اس اعرابی کی اس جرأت پر نبی کریم ﷺ اسے سخت سے سخت سزا دے سکتے تھے،

(1)-البخاري: كتاب الخمس، باب ماكان النبي ﷺ يعطي المؤلفة قلوبهم وغيرهم من الخمس ونحوه. ومسلم: كتاب الزكاة، باب اعطاء من سأل بفحش وغلظة

کم از کم اس سے قصاص کا مطالبہ کر سکتے تھے، لیکن قربان جائیں سرکار اقدس ﷺ کی رحمت عام پر نہ صرف یہ کہ اس کی اس بے باکی کو معاف فرمادیا بلکہ اس کو اس کی مطلوبہ چیز بھی دینے کا حکم صادر فرمایا، کیا دنیا کے کسی امیر کی سیرت میں رحم وکرم کی یہ نظیر مل سکتی ہے؟

کر کے تمھارے گناہ مانگیں تمھاری پناہ
تم کہو دامن میں آ، تم پہ کروڑوں درود

لگے ہاتھوں حضرت ابوہریرہ کی یہ روایت بھی پڑھتے چلیے:

كان النبي صلى الله عليه وسلم يجلس معنا في المجلس يحدثنا، فاذا قام قمنا قياما حتى نراه قد دخل بعض بيوت ازواجه، فحدثنا يوما فقمنا حين قام، فنظرنا الى اعرابي قد ادرك فجبذه بردائه فحمر رقبته. قال ابو هريرة: وكان رداء خشنا. فالتفت، فقال له الاعرابي: احمل لي على بعيري هذين فانك لا تحمل لي من مالك ولا من مال ابيك، فقال النبي صلى الله عليه وسلم: لا واستغفر الله، لا واستغفر الله، لا واستغفر الله. لا احمل لك حتى تقيدني من جبذتك اللتي جبذتني، فكل ذلك يقول له الاعرابي: لا والله اقيدكها، فذكر الحديث قال: ثم دعا رجلا، فقال له: احمل له على بعيريه هذين، على بعير شعيرا، وعلى الآخر تمرا، ثم التفت علينا فقال: انصرفوا على بركة الله تعالى[1]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ مسجد میں ہمارے ساتھ بیٹھا کرتے اور ہم سے بیان فرمایا کرتے تھے، پھر جب آپ کھڑے ہوتے تو ہم بھی کھڑے ہوجاتے، یہاں تک کہ ہم آپ کو دیکھ لیتے کہ ازواج مطہرات میں سے کسی کے گھر داخل ہوگئے، ایک روز آپ نے ہم سے گفتگو فرمائی، پھر ہم بھی (معمول کے مطابق) کھڑے ہوگئے، یہاں تک کہ آپ (چلتے چلتے) رک گئے، ہم نے دیکھا کہ ایک اعرابی نے آپ کو پکڑا اور اپنی چادر سے آپ کو کھینچا جس سے آپ کی گردن سرُخ ہوگئی،

(1)-ابو داؤد: باب الادب رقم الحدیث ٤٧٤٨

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ وہ چادر کھردری تھی، آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے تو اس اعرابی نے آپ سے کہا: میرے ان دونوں اونٹوں کو لاد دیجیے، کیوں کہ آپ اپنے مال اور اپنے باپ کے مال سے میرے اونٹوں کو نہیں لادتے، آپ نے فرمایا: نہیں استغفر اللہ، میں تیرے اونٹ نہیں لادوں گا، جب تک تو مجھے قصاص نہ دے، اس کھینچنے کی جو تونے مجھے چادر سے کھینچا ہے، وہ اعرابی مسلسل کہتا رہا کہ اللہ کی قسم میں آپ کو قصاص نہیں دوں گا (پھر پوری حدیث بیان کی) رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو بلایا اور اس سے فرمایا کہ اس کے دونوں اونٹوں کو لاد دو، ایک اونٹ پر جو اور دوسرے اونٹ پر کھجور، پھر آپ ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ اللہ کی برکت پر واپس ہو جاؤ۔

سرکار دوعالم ﷺ چاہتے تو ایسی جرأت کرنے والے اعرابی کو سخت سے سخت سزا دیتے اور اس پر غیض وغضب کا مظاہرہ فرماتے، یہ آپ کا عدل ہی ہوتا لیکن عدل پر رحمت غالب آگئی، آپ نے اس اعرابی کے قصاص کو معاف فرما دیا اور اس سے کوئی مواخذہ نہیں فرمایا بلکہ اس کے دونوں اونٹوں کو جو اور کھجور سے بھر دیا۔

حضرت ابوہریرہ ہی کی روایت ہے:

أن رجلا، تقاضى رسول الله صلى الله عليه وسلم، فأغلظ له، فهم أصحابه، فقال " دعوه، فإن لصاحب الحق مقالا. واشتروا له بعيرا، فأعطوه إياه ". وقالوا لا نجد إلا أفضل من سنه. قال " اشتروه فأعطوه إياه، فإن خيركم أحسنكم قضاء.[1]

ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے قرض کا تقاضا کیا اور سخت وسست کہا۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس کو سزا دینی چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے کہنے دو۔ صاحب حق کے لیے کہنے کا حق ہوتا ہے اور اسے ایک اونٹ خرید کر دے دو۔ لوگوں نے عرض کیا کہ اس کے اونٹ سے (جو اس نے آپ کو قرض دیا تھا) اچھی

(1)-البخاری: کتاب الاستقراضوداء الدیون والحجر والتفلیس، باب استقراض الابل

عمرہی کا اونٹ مل رہا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہی خرید کر اسے دے دو۔ کیونکہ تم میں اچھا وہی ہے جو قرض ادا کرنے میں سب سے اچھا ہو۔

صحابہ کرام جو خود حلم وعفو کے پیکر تھے اس تقاضا کرنے والے شخص کی جرأت وبے باکی پر بھڑک اٹھے اور سزا دینے کا ارادہ کیا، لیکن رسول رحمت ﷺ نے نہ صرف یہ کہ اپنے صحابہ کو منع فرمایا بلکہ اس شخص کو صاحب حق کہہ کر اس کی عزت افزائی بھی فرمائی اور جس معیار کا اونٹ اس سے لیا تھا اس سے اچھا اونٹ اسے دے کر اپنی شان کریمی ورحیمی کا مظاہرہ بھی فرمایا۔

صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ : وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰۷﴾

☆☆☆

باب سوم

امت پر عبادات میں رحم وکرم

امت پر عبادات میں رحم وکرم

اسلام دین رحمت ہے جو آسانی اور نرمی کا تقاضا کرتا ہے، تشدد اور بے جا سختی اسلامی اصولوں کے خلاف ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

یُرِیْدُ اللّٰہُ بِکُمُ الْیُسْرَ وَلَا یُرِیْدُ بِکُمُ الْعُسْرَ [1]

ترجمہ: اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری نہیں چاہتا۔

مصطفیٰ جان رحمت ﷺ احکام شرع میں آسانی اور سہولت کا لحاظ فرمایا کرتے تھے اور سختی برتنے والوں سے سخت نفرت کا اظہار فرماتے تھے، آپ کا ارشاد گرامی ہے:

عن أبي هريرة عن النبي صلى الله عليه وسلم قال "إن الدين يسر، ولن يشاد الدين أحد إلا غلبه، فسددوا وقاربوا وأبشروا، واستعينوا بالغدوة والروحة وشيء من الدلجة [2] وقال ايضا: يسروا ولا تعسروا، بشروا ولا تنفروا [3]

حضرت ابوہریرہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بے شک دین آسان ہے اور جو شخص دین میں سختی اختیار کرے گا تو دین اس پر غالب آجائے گا (اور اس کی سختی نہ چل سکے گی) پس (اس لیے) اپنے عمل میں پختگی اختیار کرو۔ اور جہاں تک ممکن ہو میانہ روی برتو اور خوش ہو جاؤ (کہ اس طرز عمل سے تم کو دارین کے فوائد حاصل ہوں گے) اور صبح، دوپہر، شام اور کسی قدر رات میں (عبادت سے) مدد حاصل کرو۔ اور مزید ارشاد فرمایا: آسانی برتو تنگی نہ پیدا کرو، بشارت سناؤ نفرت نہ پھیلاؤ۔

---

(1)-البقرۃ:۱۸۵

(2)-البخاری: کتاب الایمان، باب الدین یسر

(3)-البخاری: کتاب العلم ،باب ماکان النبی ﷺ یتخلوھم بالموعظة والعلم کی لا ینفروا

قرآن وحدیث سے ہمیں یہ واضح درس ملتا ہے کہ اسلام نے بندوں کی سہولت کو ہر گام پر ملحوظ رکھا ہے اور سختی برتنے والوں کو نفرت پھیلانے والا کہا ہے، لیکن معاشرے میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو تشدد کو دیانت اور شریعت کی عطا کردہ رخصتوں پر عمل کرنے والوں کو کوتاہ اور بے عمل سمجھتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ عزیمت پر عمل افضل ہے لیکن رخصتیں جو اسلام کی عطا ہیں ان پر عمل کرنے والوں پر پھبتیاں کسنا کہاں کا تقویٰ اور شریعت کے کس حکم پر عمل در آمد ہے؟ آیئے اس حوالے سے سرکار دوعالم ﷺ کی سیرت طیبہ کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ نبی رحمت ﷺ نے عبادات کے باب میں امت پر رحم وکرم کی کیسی بارشیں کی ہیں۔

بخاری شریف کی حدیث پاک ہے:

عن أنس بن مالك . رضى الله عنه . يقول جاء ثلاثة رهط إلى بيوت أزواج النبى صلى الله عليه وسلم يسألون عن عبادة النبى صلى الله عليه وسلم فلما أخبروا كأنهم تقالوها فقالوا وأين نحن من النبى صلى الله عليه وسلم قد غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر. قال أحدهم أما أنا فإنى أصلى الليل أبدا. وقال آخر أنا أصوم الدهر ولا أفطر. وقال آخر أنا أعتزل النساء فلا أتزوج أبدا. فجاء رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال " أنتم الذين قلتم كذا وكذا أما والله إنى لأخشاكم لله وأتقاكم له، لكنى أصوم وأفطر، وأصلى وأرقد وأتزوج النساء، فمن رغب عن سنتى فليس منى ".[1]

حضرت انس بن مالک نے بیان کیا کہ تین حضرات (صحابہ کرام میں سے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے گھروں کی طرف آپ کی عبادت کے متعلق پوچھنے آئے، جب انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل بتایا گیا تو جیسے انہوں نے اسے کم سمجھا اور کہا کہ ہمارا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا مقابلہ! آپ کی تو تمام اگلی

(1)-البخاری: کتاب النکاح، باب الترغیب فی النکاح

پچھلی لغزشیں معاف کر دی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ آج سے میں ہمیشہ رات بھر نماز پڑھا کروں گا۔ دوسرے نے کہا کہ میں ہمیشہ روزے سے رہوں گا اور کبھی ناغہ نہیں ہونے دوں گا۔ تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے جدائی اختیار کرلوں گا اور کبھی نکاح نہیں کروں گا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور ان سے پوچھا کیا تم نے ہی یہ باتیں کہی ہیں؟ سن لو! اللہ تعالیٰ کی قسم! اللہ رب العالمین سے میں تم سب سے زیادہ ڈرنے والا ہوں۔ میں تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہوں لیکن میں اگر روزے رکھتا ہوں تو افطار بھی کرتا ہوں۔ نماز پڑھتا ہوں (رات میں) اور سوتا بھی ہوں اور میں عورتوں سے نکاح کرتا ہوں۔ میرے طریقے سے جس نے بے رغبتی کی وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔

یہ حدیث پاک اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اسلام دین اعتدال ہے، افراط وتفریط اسلام میں کسی بھی حال میں محمود نہیں، خواہ دینی امور میں ہو یا دنیاوی معاملات میں۔ اسلام اپنے ماننے والوں سے اس بات کا مطالبہ نہیں کرتا ہے کہ صبح وشام عبادات میں مشغول رہا جائے، سال بھر روزہ رکھا جائے، رات بھر نفل پڑھا جائے، بلکہ اسلام عبادات کے ساتھ معاملات زندگی کے لیے بھی جدوجہد کرنے کا حکم دیتا ہے، اہل خانہ اور بال بچوں کی ضروریات زندگی کی تکمیل کے لیے کسب معاش کا بھی حکم دیتا ہے خود سرکار اقدس ﷺ کی حیات مبارکہ اس سلسلے میں ہمارے لیے نمونہ ہے۔ سعد بن ہشام بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

اتيت عائشة رضي الله عنها .فقلت: يا ام المومنين، اخبر بخلق رسول الله ﷺ! قالت: كانت خلقه القرآن، اما تقرأ القرآن قول الله عزوجل: وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ قلت: فاني اريد ان اتبتل. قالت: لا تفعل. اما تقرأ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ! فقد تزوج رسول الله ﷺ وقد ولد له.[1]

ترجمہ: میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کیا اے ام

(1)-مسند احمد: رقم الحديث ٢٤٦٤٥

المومنین مجھے رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں بتائیے، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا: آپ کا خُلق قرآن تھا، کیا تم نے قرآن میں اللہ عزوجل کا یہ فرمان نہیں پڑھا: اور بے شک تمھاری خو بڑی شان والی ہے۔ میں نے عرض کیا میں خصی ہو جانے کا ارادہ رکھتا ہوں، انہوں نے فرمایا ایسا نہ کرو کیا تم نے نہیں پڑھا: "بے شک تمہیں رسول اللہ ﷺ کی پیروی بہتر ہے" رسول اللہ ﷺ نے شادی بھی کی اور آپ کی اولاد بھی ہوئیں ۔

یہ حدیث پاک اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ترک دنیا ہی کو عبادت سمجھ لینا تقاضائے اسلام کے خلاف ہے ، اگر اسلام کا یہی تقاضا ہوتا تو مصطفیٰ جان رحمت ﷺ سے زیادہ کون اس کو پورا کرنے والا ہو سکتا تھا ، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے کسب معاش کے لیے تجارت بھی فرمائی، شادیاں بھی کیں، اولاد بھی ہوئیں، رشتے داریاں بھی نبھائیں اور دیگر معمولات زندگی کو بھی انجام دیا۔

آئندہ صفحات میں ہم آپ کو عبادات میں سرکار ﷺ کی رحمت کامل کے جلوؤں کا مشاہدہ کرائیں گے اور احادیث نبویہ کی روشنی میں یہ واضح کرنے کی کوشش کریں گے کہ سرکار کی سیرت میں کسی بھی عبادت کے حوالے سے بے جا تشدد اور سختی کا حکم ہمیں نہیں ملتا بلکہ اللہ کے نافذ کردہ قوانین کی روشنی میں جہاں تک ممکن ہو سکا آپ نے امت کو آسانی فراہم کرنے کی کوشش کی اور دیگر شعبہائے حیات کی طرح اپنی رحمتوں سے ہمیں اس باب میں بھی محروم نہیں کیا۔

نماز میں رحم وکرم

نماز اہم ترین عبادت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس کی بڑی تاکید فرمائی ہے، یہاں تک کہ اسے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک قرار دیا، ارشاد فرمایا:

قرۃ عینی فی الصلاۃ[1]

ترجمہ: میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔

نماز سے اس قدر شدید لگاؤ کے باوجود رسول کریم ﷺ نے اپنی امت کے لیے یہ حکم نافذ نہیں فرمایا کہ دن بھر نماز مین مشغول رہا جائے، حضرت زینب بنت جحش کے حوالے سے حضرت انس بن مالک کی روایت کردہ یہ حدیث پاک ملاحظہ فرمائیں:

عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال دخل النبي صلى الله عليه وسلم فإذا حبل ممدود بين الساريتين فقال " ما هذا الحبل ". قالوا هذا حبل لزينب فإذا فترت تعلقت. فقال النبي صلى الله عليه وسلم " لا، حلوه، ليصل أحدكم نشاطه، فإذا فتر فليقعد.[2]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے۔ آپ کی نظر ایک رسی پر پڑی جو دو ستونوں کے درمیان تنی ہوئی تھی۔ دریافت فرمایا کہ یہ رسی کیسی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے باندھی ہے جب وہ (نماز میں کھڑی کھڑی) تھک جاتی ہیں تو اس سے لٹکی رہتی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں یہ رسی نہیں ہونی چاہیے اسے کھول ڈالو، تم میں ہر شخص کو چاہیے جب تک دل لگے نماز پڑھے، تھک جائے تو بیٹھ جائے۔

نبی کریم ﷺ ہمیشہ اس بات کے لیے جدوجہد فرماتے رہے کہ بندے اور رب

(1)-النسائی: رقم الحدیث: ۳۹۴۰

(2)-البخاری: کتاب التہجد، باب مایکرہ من التشدید فی العبادۃ

کے درمیان ربط مستحکم ہو، بندہ اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوا کرے، احکام الٰہی ہمیشہ اس کے پیش نظر رہیں، اس کے باوجود آپ نے ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو عبادات میں اس طرح کی سختی اختیار کرنے سے منع فرمایا، کیوں کہ آپ جانتے تھے کہ یہ شدت انسان ہمیشہ برداشت نہیں کرسکتا، انسانی قوت ایک حد تک ہی شدتوں کا سامنا کرسکتی ہے، پھر اس کے بعد یہ سلسلہ یا تو موقوف ہوجائے گا یا اس شدت میں کمی آجائے گی، لہذا بہتر عمل وہ ہے جس میں دوام اختیار کرنا ممکن ہو اگرچہ وہ عمل تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، اس سلسلے میں صریح حدیث پاک بھی موجود ہے:

قال رسول اللہ ﷺ: واعلموا ان احب العمل الی اللہ ادومہ وان قل (1)

ترجمہ: یاد رکھو اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے محبوب عمل وہ ہے جس میں دوام ہو اگرچہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو۔

دراصل سرور کائنات ﷺ اپنی امت پر افراط وتفریط کا خوف کرتے تھے اور ان کی زندگی میں توازن برقرار رکھنا چاہتے تھے، کیوں کہ عدم توازن کے سبب زندگیاں اجیرن ہو جاتی ہیں، معمولات بگڑ جاتے ہیں، اگر ایک شخص صبح وشام نماز ہی میں مشغول رہے تو ظاہر ہے کہ اس کے بیوی بچوں کے لیے فاقہ کی کیفیت پیدا ہوگی، خود اس کو دوسروں کا دست نگر ہونا پڑے گا، یا کم از کم وہ اہل خانہ اور اہل قرابت کے معاشرتی حقوق کو ادا کرنے پر قادر نہ ہو گا، یہی وجہ ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ عبادات میں تخفیف کا حکم دیا کرتے تھے، اس سلسلے میں حضرت عبداللہ بن عمر بن عاص کا واقعہ مشہور ہے،

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص صائم الدہر اور قائم اللیل صحابی تھے، ایک موقع پر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کتنے دن میں قرآن ختم کرتے ہو، عرض کیا روزانہ ایک ختم پڑھ لیتا ہوں، سرکار ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(1)-مسلم : كتاب صفات المنافقين واحكامهم ، باب لن يدخل احد الجنة بعمله بل برحمة الله تعالیٰ

واقرء القرآن فی کل شهر، قال: قلت یأنبی الله! انی اطیق افضل من ذلك ،قال: فاقرأه فی کل عشرین، قال: قلت یا نبی الله ! انی اطیق افضل من ذلك، قال قلت یأنبی الله ! انی اطیق افضل من ذلك ، قال فاقرأه فی کل سبع ولاتزدعلیٰ ذلك،فان لزوجك علیك حقاولجسدك علیك حقا ۔[1]

ترجمہ: ہر مہینے ایک قرآن مجید ختم کیا کرو، میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی میں تو اس سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا، بیس دنوں میں ایک قرآن مجید پڑھ لیا کرو میں نے عرض کیا کہ میں اس سے بھی زیادہ طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا کہ دس دن میں ایک قرآن مجید پڑھ لیا کرو، میں نے عرض کیا میں اس سے بھی زیادہ کی طاقت رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا کہ تو سات دن میں ایک قرآن مجید پڑھ لیا کرو اور اس سے زیادہ اپنے آپ کو مشقت میں مت ڈالو کیوں کہ تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیرے مہمان کا بھی تجھ پر حق ہے اور تیرے جسم کا بھی تجھ پر حق ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما صحت مند قوی الجثۃ اور بلند عزم وحوصلے کے آدمی تھے پھر بھی آپ نے ان کے معاملے میں اصرار فرمایا کہ عبادات میں تخفیف کریں اور کچھ وقت اپنے اہل خانہ اور اہل قرابت کے لیے بھی نکالیں کیوں کہ انسان پر اللہ کے حقوق کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سارے حقوق ہیں جن کا ادا کرنا بندے پر لازم ہے۔یقینا یہ تخفیف آپ کے رحم وکرم کی بنا پر ہے اس کا اندازہ حدیث کے ان آخری جملوں سے لگایا جاسکتا ہے:

قال فشددت فشدد علی، قال وقال لی النبی ﷺ انك لا تدری لعك یطول بك عمر، قال فصرت الی الذی قال لی النبی ﷺ فلما کبرت ودت انی کنت قبلت رخصة نبی الله ﷺ[2]

---

(1)-مسلم : کتاب الصیام باب النهی عن صوم الدهر

(2)-مسلم : کتاب الصیام باب النهی عن صوم الدهر

ترجمہ: حضرت عبداللہ نے کہا کہ میں نے سختی کی پھر مجھ پر سختی کی گئی، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا تو نہیں جانتا شاید کہ تیری عمر لمبی ہو، حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ پھر میں اس عمر تک پہنچ گیا جس کی نبی نے مجھ سے نشان دہی فرمائی تھی اور جب میں بوڑھا ہو گیا تو میں یہ چاہنے لگا کہ کاش اللہ کے نبی ﷺ کی دی گئی رخصت میں قبول کر لیتا۔

اسلام ایسا دین ہے جس کے قوانین کسی خاص فرد کی سہولت کے پیش نظر وضع نہیں کیے گئے ہیں، بلکہ اسلام پوری انسانیت کا دین ہے جس میں مرد و عورت، جوان، بوڑھے، بچے طاقت ور، ضعیف، بیمار اور عاجز سبھی شامل ہیں، اسلام سبھی کے احوال کا لحاظ کرتا ہے، سبھی کی کیفیات کو مد نظر رکھتا ہے، مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کا منشا یہ نہیں تھا کہ لوگ چند دن نمازوں میں خوب مشغول رہیں پھر نمازوں سے متنفر ہو جائیں یا ان کی جسمانی طاقت جواب دے جائے بلکہ آپ ایسی تمام وجوہات کا قلع قمع کرنا چاہتے تھے جس کی وجہ سے نمازوں کے سلسلے میں کسی کے اندر عدم دل چسپی کے عناصر جنم لیں، یا اس کے لیے زحمت کا سبب بن جائے۔
یہ حضرت معاذ بن جبل ہیں رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابی ہیں، بارگاہ رسالت کے محبوب نظر ہیں، صحابہ کے درمیان بلند مقام و مرتبے کے حامل ہیں، رسول اللہ کے مقرب سمجھے جاتے ہیں پھر بھی سرکار اقدس ﷺ انہیں اس حوالے سے کیسی تنبیہ فرما رہے ہیں ذرا حدیث پاک کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں، امت کے ساتھ نماز جیسی اہم عبادت میں بھی رحم وکرم کی کیسی بارش کی جا رہی ہے حدیث پاک کے بین السطور سے محسوس کرنے کی کوشش کریں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی روایت ہے:

قال أقبل رجل بناضحين وقد جنح الليل، فوافق معاذا يصلي، فترك ناضحه وأقبل إلى معاذ، فقرأ بسورة البقرة أو النساء، فانطلق الرجل، وبلغه أن معاذا نال منه، فأتى النبي صلى الله عليه وسلم فشكا إليه معاذا،

فقال النبی صلی الله علیه وسلم " یا معاذ أفتان أنت. أو فاتن ثلاث مرار. فلولا صلیت بسبح اسم ربك، والشمس وضحاها، والليل إذا يغشى، فإنه يصلی وراءك الكبير والضعيف وذو الحاجة[1]

حضرت جابر بن عبداللہ انصاری روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص پانی اٹھانے والا دو اونٹ لئے ہوئے آیا، رات تاریک ہو چکی تھی۔ اس نے حضرت معاذ کو نماز پڑھاتے ہوئے پایا۔ اس لیے اپنے اونٹوں کو بٹھا کر (نماز میں شریک ہونے کے لیے) حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے نماز میں سورہ بقرہ یا سورہ نساء شروع کی۔ چنانچہ وہ شخص نیت توڑ کر چل دیا۔ پھر اسے معلوم ہوا کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے مجھ کو برا بھلا کہا ہے۔ اس لیے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور حضرت معاذ کی شکایت کی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا، معاذ! کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالتے ہو۔ آپ نے تین مرتبہ (فتان یا فاتن) فرمایا، سبح اسم ربك الاعلى و الشمس و ضحها، والليل اذا يغشى جیسی سورتیں تم نے کیوں نہ پڑھیں، کیونکہ تمھارے پیچھے بوڑھے، کمزور اور حاجت مند نماز پڑھتے ہیں۔

اس حدیث پاک میں ائمہ کے لیے ایک بڑا سبق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دین کو آسان بنایا ہے، نماز میں بھی بڑی رخصتیں رکھی ہیں، باجماعت نماز ادا کرنے والوں میں مختلف قسم کے لوگ ہوتے ہیں، کون کس طرح کے حالات سے دوچار ہے امام کو اس کا علم نہیں ہوتا ایسی صورت میں لمبی لمبی سورتوں کی تلاوت کرنا مصلیوں کو مشقت میں ڈالنا ہے جس کو سرکار ﷺ نے سخت ناپسند فرمایا ہے، ائمہ مصلیوں پر رحم کریں ان کے دلوں میں نمازوں کے تعلق سے نفرت نہ پیدا ہونے دیں اور اس سلسلے میں سرکار کے اسوہ حسنہ کو اپنے لیے نمونہ عمل بنائیں۔

اس ضمن میں قیام رمضان والی حدیث بھی بڑی اہمیت کی حامل ہے

(1)-البخاری: کتاب الجماعة والامامة، باب من شکا من امامه اذا طول

عن عائشة أم المؤمنين رضى الله عنها أن رسول الله صلى الله عليه وسلم صلى ذات ليلة فى المسجد فصلى بصلاته ناس، ثم صلى من القابلة فكثر الناس، ثم اجتمعوا من الليلة الثالثة أو الرابعة، فلم يخرج إليهم رسول الله صلى الله عليه وسلم، فلما أصبح قال " قد رأيت الذى صنعتم ولم يمنعنى من الخروج إليكم إلا أنى خشيت أن تفرض عليكم "، وذلك فى رمضان.[1]

ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات مسجد میں نماز پڑھی۔ صحابہ نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی۔ دوسری رات بھی آپ نے یہ نماز پڑھی تو نمازیوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تیسری یا چوتھی رات تو پورا اجتماع ہی ہو گیا تھا۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس رات نماز پڑھانے تشریف نہیں لائے۔ صبح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ جتنی بڑی تعداد میں جمع ہو گئے تھے۔ میں نے اسے دیکھا لیکن مجھے باہر آنے سے یہ خیال مانع رہا کہ کہیں تم پر یہ نماز فرض نہ ہو جائے۔ یہ رمضان کا واقعہ تھا۔

سرکار اقدس ﷺ اپنی امت کو مشقت میں ڈالنا پسند نہیں فرماتے تھے، آپ نے قیام لیل میں لوگوں کا جوش و خروش ملاحظہ فرمایا اور پابندی دیکھی تو تیسرے روز آپ اپنے حجرہ مبارک سے مسجد نبوی میں تشریف نہیں لائے، کیوں کہ آپ کو معلوم تھا کہ اپنے اوپر شدت اختیار کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ سختی فرماتا ہے، بنی اسرائیل نے اپنے لیے شدت اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر احکام میں شدت رکھی، اسی لیے سرکار ﷺ نے رمضان کی راتوں میں تنہا ہی نماز ادا کرنے کو ترجیح دی تاکہ امت مسلمہ کسی شدت میں مبتلا نہ ہو جائے، یہ رحم وکرم کا انتہائی پہلو ہے کہ ایسے اسباب سے بھی احتراز کیا جائے جو امت کے لیے مشقت کا باعث بنیں۔

(1)-البخاری: ابواب التهجد، باب تحریض لانبیﷺ علیٰ صلاة اللیل والنوافل من غیر ایجاب

روزوں میں رحم وکرم

دیگر عبادات کی طرح روزے کے باب میں بھی امت پر آپ کی رحمت کے جلوے پورے آب وتاب کے ساتھ نظر آتے ہیں، نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم صومِ وصال رکھا کرتے تھے، یہ بات متعدّد احادیث اور کتب سیر میں مذکور ہے، صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے جب آپ کے روزوں کی کیفیت دیکھی تو انہوں نے بھی صومِ وصال شروع کر دیا، آپ ان کی جسمانی طاقت سے واقف تھے، مسلسل روزے رکھنا یقیناً ان کے لیے مشقت کی بات تھی، لہذا آپ نے اپنی امت کو صومِ وصال سے منع فرمایا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے:

نہی رسول اللہ ﷺ عن الوصال رحمة لهم ، فقالوا: انك تواصل ۔ قال: انی لست کهیئتکم ، انی یطعمنی ربی ویسقین[1]

ترجمہ: نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اپنے صحابہ کو ان پر رحم کھاتے ہوئے صوم وصال سے منع فرمایا، تو صحابہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ تو صوم وصال رکھا کرتے ہیں، سرکار دوعالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: میں تمھاری طرح نہیں ہوں، مجھے میرا رب کھلاتا پلاتا ہے۔

اس حدیث پاک میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس بات کی صراحت فرمادی کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا امت کو صوم وصال سے منع فرمانا ان پر رحمت ہے، کسی چیز پر قدرت ہونا الگ بات ہے اور کسی چیز میں مشقت کا ہونا دوسری بات، سرکار اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو معلوم تھا کہ بعض صحابہ اپنی جسمانی قوت کے اعتبار سے اس کی طاقت رکھتے ہیں، لیکن بہر حال یہ ان کے لیے مشقت کی بات ہے اور امت مشقت میں مبتلا ہو سرکار اسے پسند نہیں فرماتے اسی لیے صحابہ کو صوم وصال سے منع فرمایا اور اس بات کی وضاحت

---

(1)-البخاری: کتاب الصوم ، باب الوصال ومن قال: لیس فی اللیل صیام. مسلم: کتاب الصیام ، باب النهی عن الوصال فی الصوم

بھی فرمادی کہ اس معاملے میں میری تقلید نہ کرو، صوم وصال میرے خصائص میں سے ہے اس لیے کہ اللہ نے مجھے وہ طاقت عطا فرمائی جو تمہیں نہیں دی گئی۔

شریعت اسلامیہ نے روزے کی مدت صبح صادق سے غروب آفتاب تک رکھی ہے، آقائے کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے امت پر رحم وکرم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا، جب افطار کا وقت ہو جائے تو فورا افطار کرلو یہ تمھارے لیے بھلائی کی چیز ہے، تاکہ مزید تاخیر تمھارے بھوک وپیاس کی شدت کو نہ بڑھادے، ارشاد فرمایا:

لایزال الناس بخیر ما عجلوا الفطر[1]

ترجمہ: جب تک لوگ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے، بھلائی میں رہیں گے۔

سحری کھانا روزہ دار کے لیے جسمانی طاقت کا باعث ہے، جس سے دن بھر بھوک برداشت کرنے میں آسانی ہوتی ہے اور نقاہت بھی کم لاحق ہوتی ہے، اسی لیے مصطفیٰ جان رحمت ﷺ نے روزہ دار کی نقاہت کو مدنظر رکھتے ہوئے سحری کھانے کا حکم دیا اور اسے خیر وبرکت کا سبب قرار دیا، ارشاد فرمایا:

تسحروا فان فی السحور برکۃ[2]

ترجمہ: سحری کھاؤ اس لیے کہ سحری میں برکت ہے

بلکہ آپ نے سحری میں تاخیر کا حکم دیا تاکہ سحری کا اثر دیر تک باقی رہے اور بھوک پیاس کا اثر دیر سے ظاہر ہو:

سأل مالک بن عامر ابو عطیۃ عائشۃ رضی اللہ عنہا قال: قلت لعائشۃ رضی اللہ عنہا، فینا رجلان من اصحاب النبی ﷺ احدھما یعجل الافطار ویوخر السحور،

---

(1)-البخاری: کتاب الصوم باب تعجیل الافطار. مسلم :کتاب الصیام ، باب فضل السجود و تاکید استحبابه

(2)-البخاری: کتاب الصوم ،باب بر کة السجود من غیر ایجاب. مسلم: کتاب الصیام، باب فضل السجود و تاکید استحبابه

والآخر یوخر الافطار ویعجل السحور! قالت ایھما الذی یعجل الافطار ویوخر السحور؟ قلت: عبداللہ بن مسعود. قالت: ھکذا کان رسول اللہ ﷺ یصنع۔[1]

ترجمہ: مالک بن عامر ابو عطیہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا، کہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے دو شخص ہیں، ان میں سے ایک افطار میں جلدی کرتے ہیں اور سحری میں تاخیر کرتے ہیں، او دوسرے افطار میں تاخیر کرتے ہیں اور سحری میں جلدی کرتے ہیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہانے فرمایا: ان میں سے کون افطار میں جلدی اور سحری میں تاخیر کرتا ہے، حضرت ابو عطیہ کہتے ہیں کہ میں نے کہاوہ عبداللہ ابن مسعود ہیں، حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایسا ہی کیا کرتے تھے۔

شرعی نقطہ نظر سے اگر کوئی شخص چند منٹ تاخیر سے بھی افطار کرے تو اس کا روزہ باطل نہیں ہوگا بلکہ درست ہوجائے گا، روزہ نہیں ٹوٹے گا لیکن ایسا شخص سنت نبوی پر عمل کرنے والا نہیں کہلائے گا اور زیادہ اجر کا مستحق نہیں ہوگا، آقائے کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے اس شخص کو زیادہ اجر کا مستحق قرار دیا جو افطار میں جلدی کرے، یہ خالص امت پر رحم وکرم کے خیال سے ہے، رحم وکرم کا تقاضا یہ ہے زیادہ دیر تک بھوک وپیاس کی شدت میں مبتلا نہ رکھا جائے، اللہ تعالی نے روزے کی جو مدت بیان فرمائی ہے اس کی تکمیل کے بعد فوراافطار کو افضل قرار دینا سرکار کا کرم عظیم ہے۔

نبی رحمت ﷺ کے رحم وکرم کا اندازہ اس دل چسپ واقعے سے بھی لگایا جاسکتا ہے جو سرکار کے دو جلیل القدر صحابی حضرت سلمان اور حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہما کے مابین پیش آیا، ان دونوں کے درمیان پر لطف مکالمہ ہوا، معاملہ مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کی بارگاہ میں پہنچا تو سرکار نے حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی تائید فرمائی، صحیح بخاری شریف کی حدیث پاک ہے:

---

(1)-مسلم : کتاب الصیام ، باب فضل السجود وتاکید استحبابہ استحباب تاخیرہ وتعجیل الفطر

آخی النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین سلمان، وأبی الدرداء، فزار سلمان أبا الدرداء، فرأی أم الدرداء متبذلة. فقال لها ما شأنك قالت أخوك أبو الدرداء ليس له حاجة فی الدنيا. فجاء أبو الدرداء، فصنع له طعاما. فقال كل. قال فإنی صائم. قال ما أنا بآكل حتى تأكل. قال فأكل. فلما كان الليل ذهب أبو الدرداء يقوم. قال نم. فنام، ثم ذهب يقوم. فقال نم. فلما كان من آخر الليل قال سلمان قم الآن. فصليا، فقال له سلمان إن لربك عليك حقا، ولنفسك عليك حقا، ولأهلك عليك حقا، فأعط كل ذی حق حقه. فأتى النبی صلی اللہ علیہ وسلم فذكر ذلك له، فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم " صدق سلمان.[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہما کے درمیان (ہجرت کے بعد) بھائی چارہ کرایا تھا۔ ایک مرتبہ سلمان رضی اللہ عنہ، ابودرداء رضی اللہ عنہ سے ملاقات کے لیے گئے۔ تو(ان کی عورت) ام الدرداء رضی اللہ عنہا کو بہت پراگندہ حال میں دیکھا۔ ان سے پوچھا کہ یہ حالت کیوں بنا رکھی ہے؟ ام الدرداء رضی اللہ عنہا نے جواب دیا کہ تمھارے بھائی ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ہیں جن کو دنیا کی کوئی حاجت ہی نہیں ہے پھر ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بھی آ گئے اور ان کے سامنے کھانا حاضر کیا اور کہا کہ کھانا کھاؤ، انہوں نے کہا کہ میں تو روزے سے ہوں، اس پر حضرت سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بھی اس وقت تک کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک تم خود بھی شریک نہ ہوگے۔ راوی نے بیان کیا کہ پھر وہ کھانے میں شریک ہو گئے (اور روزہ توڑ دیا) رات ہوئی تو ابوالدرداء رضی اللہ عنہ عبادت کے لیے اٹھے اور اس مرتبہ بھی سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابھی سو جاؤ۔ پھر جب رات کا آخری حصہ ہوا تو سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا

(1)-البخاری: کتاب الصوم ،باب من اقسم علی اخیہ لیفطر فی التطوع ولم یر علیہ قضاءاذا کان اوفق لہ

کہ اچھا اب اٹھ جاؤ۔ چنانچہ دونوں نے نماز پڑھی۔ اس کے بعد سلمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تمھارے رب کا بھی تم پر حق ہے۔ جان کا بھی تم پر حق ہے اور تمھاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، اس لیے ہر حق والے کے حق کو ادا کرنا چاہیے، پھر آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس کا تذکرہ کیا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ سلمان نے سچ کہا۔

اپنی امت پر سرکار کی یہ بے پایاں رحمت ہے کہ انہوں نے صبح وشام عبادت میں مشغول رہنے کا حکم نہیں دیا، بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ہمیں اپنی اور اپنے اہل خانہ کے حقوق کی ادائیگی کی تعلیم بھی دی۔ روزہ رکھنا بڑے ثواب کا کام ہے، لیکن احادیث میں ہمیں بتایا گیا کہ تمھارے اوپر تمھارے مہمانوں کا حق ہے، تمھارے اہل قرابت کا حق ہے خود تمھارے جسم کا بھی حق ہے، یعنی نفلی روزوں کو چھوڑ کر ان حقوق کو ادا کرنا بھی تم پر لازم ہے۔ یقیناً یہ فرامین آقائے کریم ﷺ کے رحم وکرم کے واضح ثبوت ہیں۔

صدقات میں رحم وکرم

انسانی زندگی میں ہر فرد کو اپنی ضروریات کی تکمیل کے لیے مال کی ضرورت ہوتی ہے، لیکن سماج کا ہر شخص کسب مال پر قادر نہیں، کچھ اپنی انتہائی غربت کی بنا پر تجارت پر قادر نہیں ہوتے، اور دیگر ذرائع سے حاصل ہونے والا مال اس کی ضروریات کے لیے کافی نہیں ہوتا وہ دوسروں کا دست نگر اور محتاج ہوتا ہے، بعض اپنی جسمانی معذوری کی وجہ سے کسب معاش کے لائق نہیں ہوتے، اس طرح کے تمام لوگوں کے لیے اسلام نے زکات اور صدقات کا نظام نافذ کیا ہے، اور اپنے ماننے والوں کو حکم دیا کہ اپنی کمائی کا ایک حصہ سماج کے ان مجبور اور محتاج لوگوں پر خرچ کریں، اس کے عوض آپ نے انہیں اللہ جل شانہ کی عظیم بشارتیں سنائی ہیں۔

ہر چند کہ بطور زکات مال کا ایک بہت ہی مختصر حصہ یعنی صرف ڈھائی فیصد اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم ہے لیکن انسانی فطرت کی روشنی میں دیکھا جائے تو یہ بات درست ہے کہ اپنی محنت کی کمائی کو دوسروں پر خرچ کرنا یقینا ایک طرح کی آزمائش ہوتی ہے، لیکن اللہ کے نیک بندے اپنی اس آزمائش میں کامیاب ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری کر کے دنیا وآخرت میں سرخرو ہوتے ہیں، اسلامی نظام زکات وصدقات کے حوالے سے جب ہم سیرت رسول ﷺ کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہاں بھی رحم وکرم کا چشمہ پوری جلوہ سامانی کے ساتھ جاری نظر آتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ کی راہ میں انفاق کار ثواب اور عظیم اجر کا باعث ہے، لیکن اس کے باوجود سرکار دوعالم ﷺ نے افراط وتفریط سے بچنے کا حکم صادر فرمایا ہے، اپنا مال اللہ کی راہ میں ضرور خرچ کیا جائے لیکن یہ لحاظ ضروری ہے کہ مال خرچ کرنے والا خود دوسروں کا دست نگر نہ ہو جائے اور اپنے اہل خانہ کی ضروریات کی تکمیل پر قادر نہ رہے۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حال سنیے:

وقال كعب رضي الله عنه. قلت يا رسول الله إن من توبتي أن أنخلع من

مالی صدقة إلی الله وإلی رسوله صلی الله علیه وسلم. قال " أمسك علیك بعض مالك، فهو خیر لك ". قلت فإنی أمسك سهمی الذی بخیبر.[1]

اور کعب بن مالک نے (جو جنگ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے) عرض کیا: یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اپنی توبہ اس طرح پوری کرتا ہوں کہ اپنا سارا مال اللہ اور رسول پر تصدق کردوں۔ آپ نے فرمایا کہ نہیں تھوڑا مال رہنے بھی دے وہ تیرے حق میں بہتر ہے۔ کعب نے کہا: میں اپنا خیبر کا حصہ رہنے دیتا ہوں۔

حضرت کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنا پورا مال اللہ اور اس کے رسول کی راہ میں خرچ کرنا چاہا اس کے باوجود آقائے کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے انہیں فرمایا کہ کچھ مال اپنے پاس رکھ لو، کیوں کہ آپ کو معلوم تھا کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کی بھی کچھ ضروریات ہیں، زندگی کے لوازمات ہیں جن کی تکمیل کے لیے مال کی حاجت ہے، یقیناً یہ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم رحمت اور اپنی امت سے بے پناہ شفقت و محبت کی دلیل ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہما کی وفات کا وقت قریب ہوا تو آپ نے سوچا کہ زندگی کے ایام مکمل ہونے والے ہیں اب جو کچھ مال بچا ہے اسے صدقہ کر دیا جائے، سرکار دوعالم ﷺ نے اس موقع پر کیسا رحیمانہ موقف اختیار فرمایا حضرت سعد بن وقاص کی زبانی سنیے:

قال جاءنا رسول الله صلی الله علیه وسلم یعودنی من وجع اشتد بی زمن حجة الوداع فقلت بلغ بی ما تری وأنا ذو مال ولا یرثنی إلا ابنة لی أفأتصدق بثلثی مالی قال " لا ". قلت بالشطر قال " لا ". قلت الثلث قال " الثلث كثیر، أن تدع ورثتك أغنیاء خیر من أن تذرهم عالة یتكففون الناس ولن تنفق نفقة تبتغی بها وجه الله إلا أجرت علیها حتی ما تجعل فی فی

(1)-البخاری: کتاب الزکاة، باب لا صدقة الا عن ظهر غنی، مسلم: کتاب التوبة، باب حدیث توبة کعب بن مالك و صاحبیه

امرأتك.[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے میں حجۃ الوداع کے زمانہ میں ایک سخت بیماری میں مبتلا ہو گیا تھا، میں نے عرض کیا کہ میری بیماری جس حد کو پہنچ چکی ہے اسے آپ دیکھ رہے ہیں، میں صاحب دولت ہوں اور میری وارث میری ایک لڑکی کے سوا اور کوئی نہیں تو کیا میں اپنا دو تہائی مال صدقہ کروں۔ آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں۔ میں نے عرض کیا پھر آدھا کر دوں، آپ نے فرمایا کہ نہیں۔ میں نے عرض کیا ایک تہائی کر دوں۔ آپ نے فرمایا کہ تہائی بہت کافی ہے اگر تم اپنے وارثوں کو غنی چھوڑ کر جاؤ یہ اس سے بہتر ہے کہ انہیں محتاج چھوڑو اور وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں اور تم جو بھی خرچ کرو گے اور اس سے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا مقصود ہو گا اس پر بھی تمہیں ثواب ملے گا۔ یہاں تک کہ اس لقمہ پر بھی تمہیں ثواب ملے گا جو تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتے ہو۔

سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث پاک میں بڑی پیاری بات ارشاد فرمائی کہ تم اللہ کی راہ میں مال خرچ کر کے اس کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہو اور اجر و ثواب کا مستحق ہونا چاہتے ہو، تمھارا یہ کام اپنے وارثین کے لیے مال چھوڑ جانے پر بھی ہو سکتا ہے کہ تمھارے وارثین تمھارے چھوڑے ہوئے مال سے اپنی ضرورتیں پوری کریں گے، تمہیں اس کا ثواب ملے گا، یہاں تک کہ اگر اس مال میں سے ایک لقمہ کھائیں گے تو اس کا بھی ثواب تمھارے نامہ اعمال میں درج ہو گا، اس لیے پورا مال صدقہ نہ کر دو بلکہ تہائی سے کم ہی صدقہ کرو تو بہتر ہے۔ یہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم رحمت ہے کہ آپ نے مال کو اپنے اہل و عیال کے لیے چھوڑنے پر بھی اجر و ثواب کی بشارت سنائی اور اسے بھی کار خیر قرار دیا۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیاری حدیث بھی ملاحظہ فرمائیں:

---

(1)-البخاری: کتاب المرضی،، باب ما رخص للمریض ان یقول: انی وجع او وارأساہ، اواشتد الوجع

دینارا انفقته فی سبیل الله، ودینارا انفقته فی رقبة،ودینار تصدقت به علیٰ مسکین، ودینار انفقته علیٰ اهلك، اعظمها اجرا الذی انفقته علیٰ اهلك[1]

ترجمہ: وہ دینار جس کو تو اللہ کی راہ میں خرچ کرتا ہے اور وہ دینار جس کو تو غلام پر خرچ کرتا ہے اور وہ دینار جو تونے مسکین پر خیرات کر دیا اور وہ دینار جو تونے اپنے اہل وعیال پر خرچ کیا ہے ان میں سب سے زیادہ ثواب اس دینار کا ہے جو تو اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتا ہے۔

صدقات کے سلسلے میں رحم وکرم کا یہ نرالا انداز بھی دیکھیے:

ایک موقع پر آقائے کریم ﷺ نے صحابہ کو صدقے کا حکم دیا، ایک تنگ دست صحابی حاضر ہوئے اور عرض کیا:

یارسول الله عندی دینار.... یارسول اللہ میرے پاس ایک دینار ہے

سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تصدق به علیٰ نفسك...... اس کو اپنے آپ پر خرچ کرو۔

اس نے عرض کیا یارسول اللہ، میرے پاس ایک اور دینار ہے، سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تصدق به علیٰ زوجتك..... اس کو اپنی زوجہ پر خرچ کرو۔

اس نے عرض کیا یارسول اللہ ایک اور ہے، سرکار اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تصدق به علیٰ ولدك..... اس کو اپنے بچے پر خرچ کرو۔

اس صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ میرے پاس ایک اور دینار ہے، مصطفیٰ جان رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

تصدق به علیٰ خادمك..... اس کو اپنے خادم پر خرچ کرو۔

اس نے عرض کیا ایک اور ہے، سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا

(1)۔مسلم. کتاب الزکاۃ، باب فضل النفقة علی العیال والمملوك واثم من ضیعهم او حبس نفقتهم عنهما

انت ابصر ۔۔۔اس کے بارے میں تم بہتر رائے رکھتے ہو۔ [1]

مصطفیٰ جان رحمت ﷺ نے اس فقیر صحابی پر حد درجہ رحم و کرم کا مظاہرہ فرمایا، اس کے پاس چند ہی دینار تھے جسے آپ نے صدقہ کرنے کا حکم نہیں دیا بلکہ اپنی ذات، اپنی زوجہ، اولاد اور خادم پر خرچ کرنے کا حکم دیا، نیز کرم اور بالائے کرم یہ کہ اسے صدقہ سے تعبیر فرمایا، یعنی جس طرح تمہیں ان دیناروں کے صدقہ کرنے سے ثواب ملتا تم اسے اپنے اہل وعیال پر خرچ کرو گے جب بھی ثواب کے مستحق کہلاؤ گے۔ آخری بار جب صحابی نے کہا کہ میرے پاس ایک اور دینار ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس کے بارے تم بہتر جانتے ہو یعنی تم اپنی ضرورتوں کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہو، اگر تمہیں اس کی ضرورت ہو تو اس سے اپنی ضرورت پوری کر سکتے ہو ورنہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔

بخاری شریف میں حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی زوجہ محترمہ کا واقعہ مذکور ہے۔

جاءت زينب امرأة ابن مسعود تستأذن عليه فقيل يا رسول الله هذه زينب فقال " أى الزيانب". فقيل امرأة ابن مسعود. قال " نعم ائذنوا لها". فأذن لها قالت يا نبى الله إنك أمرت اليوم بالصدقة، وكان عندى حلى لى، فأردت أن أتصدق به، فزعم ابن مسعود أنه وولده أحق من تصدقت به عليهم. فقال النبى صلى الله عليه وسلم " صدق ابن مسعود، زوجك وولدك أحق من تصدقت به عليهم. [2]

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی بیوی زینب رضی اللہ عنہا سرکار کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں اور اجازت طلب کیں ۔ سرکار اقدس ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یہ

---

(1)۔النسائی: رقم الحدیث ۲۵۳۵

(2)۔البخاری: کتاب الزکاۃ، باب الزکاۃ علی الاقارب. مسلم: کتاب الزکاۃ، باب فضل النفقة والصدقة علی الاقربین والزوج والاولاد والوالدین ولوکانو مشرکین

زینب آئی ہیں۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ کون سی زینب (کیونکہ زینب نام کی بہت سی عورتیں تھیں) کہا گیا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی بیوی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اچھا انہیں اجازت دے دو چنانچہ اجازت دے دی گئی۔ انہوں نے آکر عرض کیا کہ یارسول اللہ! آج آپ نے صدقہ کا حکم دیا تھا۔ اور میرے پاس بھی کچھ زیور ہے جسے میں صدقہ کرنا چاہتی ہوں۔ لیکن (میرے شوہر) ابن مسعود رضی اللہ عنہما یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ اور ان کے لڑکے ان (مسکینوں) سے زیادہ مستحق ہیں جن پر میں صدقہ کروں گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر فرمایا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہما نے صحیح کہا۔ تمھارے شوہر اور تمھارے لڑکے اس صدقہ کے ان سے زیادہ مستحق ہیں جنہیں تم صدقہ کے طور پر دوگی۔ (معلوم ہوا کہ اقارب اگر محتاج ہوں تو صدقہ کے اولین مستحق وہی ہیں)

دراصل حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما غریب تھے اور ان کی اہلیہ غنی تھیں، جو سرکار اقدس ﷺ کی بارگاہ میں صدقہ پیش کرنے آئی تھیں، اگر سرکار چاہتے تو انہیں حکم دیتے کہ اپنے شوہر کا تعاون کرو تاکہ ان کا فقر دور ہوجائے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ فرمایا کہ تمھارے صدقہ کے وہ زیادہ مستحق ہیں لہذا تم اپنا صدقہ کسی اور کو دینے کے بجاے اپنی اولاد اور اپنے شوہر کو دو، اگر سرکار صرف تعاون کا حکم دیتے تو حضرت عبد اللہ ابن مسعود کی حاجت تو پوری ہوجاتی لیکن ان کی اہلیہ صدقہ کے ثواب کی مستحق نہیں ہوتیں، یہ آپ کا رحم وکرم ہی ہے کہ آپ نے حضرت عبد اللہ بن مسعود کی حاجت بھی پوری فرمادی اور ان کی اہلیہ کو ثواب کا مستحق بھی بنادیا۔

یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے

وصدق اللہ فی وصفہ لنبی الرحمۃ حین قال: وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ﴿۱۰۷﴾

☆☆☆

حج وعمرہ میں رحم وکرم

حج ایک عظیم عبادت ہے جس کی بڑی فضیلتیں بیان کی گئی ہیں، یہ عبادت جس قدر عظمتوں کی حامل ہے اسی قدر مشقت طلب بھی، حج میں جسمانی محنتوں کے ساتھ اپنے مال کا ایک بڑا حصہ بھی خرچ کرنا پڑتا ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول کریم ﷺ نے حج مبرور کو عظمت وفضیلت میں جہاد کی طرح قرار دیا ہے :

عن عائشة أم المؤمنين. رضى الله عنها. أنها قالت يا رسول الله، نرى الجهاد أفضل العمل، أفلا نجاهد قال " لا، لكن أفضل الجهاد حج مبرور ".[1]

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! ہم دیکھتے ہیں کہ جہاد سارے نیک کاموں سے بڑھ کر ہے۔ پھر ہم بھی کیوں نہ جہاد کریں؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں بلکہ سب سے افضل جہاد حج ہے جو مبرور ہو۔

ایک دوسری حدیث پاک میں عمرہ کی فضیلت کو بیان کرتے ہوئے سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا :

العمرة إلى العمرة كفارة لما بينهما، والحج المبرور ليس له جزاء إلا الجنة "[2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ دونوں کے درمیان کے گناہوں کا کفارہ ہے اور حج مبرور کی جزا جنت کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

دیگر عبادات کی طرح حج کی فرضیت کا مقصد بھی بندوں کو مشقت میں ڈالنا نہیں ہے

(1)۔البخاری: کتاب الحج ، باب فضل الحج المبرور

(2)۔البخاری: ابواب العمرة، باب وجوب العمرة وفضلها. مسلم:کتاب الحج ، باب فضل الحج والعمرة و یوم عرفة

بلکہ بندوں کے لیے اظہار عبودیت اور معبود کی بارگاہ میں اظہار عجز کا ایک ذریعہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان عبادات میں آسانیاں رکھیں اور اسے سہل بنایا، معذورین کو رخصتیں عطا کیں، زادراہ پر قدرت نہ ہونے پر حج ساقط فرمایا اور وجوب حج کو استطاعت کی شرط کے ساتھ مشروط فرمایا، حج پوری عمر میں ایک ہی بار فرض فرمایا اور اس پر بے پناہ اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا۔

حج کے باب میں رسول کریم ﷺ نے بڑی وسعتوں کا مظاہرہ فرمایا، اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسیع اختیارات عطا فرمائے تھے، ان اختیارات کے ذریعہ آپ رفق و نرمی پر بھی قادر تھے اور سختی اور شدت پر بھی، لیکن آپ کی شان رحیمی کہ آپ نے اپنی امت کے لیے ہر باب میں آسانی اور نرمی کا پہلو اختیار فرمایا۔ حج کے باب میں آپ نے امت مسلمہ پر کس قدر رحم وکرم کا مظاہرہ فرمایا ہم ذیل کی سطروں میں اس حوالے سے گفتگو کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

صحیح مسلم شریف کی حدیث پاک ہے:

خطبنا رسول الله ﷺ فقال: ایها الناس، قد فرض الله علیکم الحج فحجوا، فقال رجل: اکل عام یارسول الله؟ فسکت حتی قالها ثلثا، فقال رسول الله ﷺ: لو قلت نعم لوجبت ولما استطعتم، ثم قال ذرونی ما ترکتم، فانما هلك من كان قبلکم بکثرة سوالهم واختلافهم علیٰ انبیاءهم، فاذا امرتکم بشئی فأتوا منه ما استطعتم، واذا نهیتکم عن شئی فدعوه[1]

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! تم پر حج فرض ہو گیا۔ پس حج کیا کرو، ایک شخص نے عرض کیا: یارسول اللہ (ﷺ) کیا حج ہر سال فرض ہے؟ آپ خاموش رہے، حتیٰ کہ اس نے تین بار یہی عرض کیا، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا اور تم اس کی ادائیگی کی طاقت نہ رکھتے، جن چیزوں کا بیان میں چھوڑ دیا

(1)۔مسلم: کتاب الحج، باب فرض الحج مرۃ فی العمر

کروں، تم ان کا سوال مت کیا کرو، کیوں کہ تم سے پہلے لوگ اسی لیے ہلاک ہوئے کہ وہ انبیاے کرام علیہم السلام سے بکثرت سوال کیا کرتے تھے اور ان سے اختلاف کرتے تھے، لہذا جب میں تم کو کسی چیز کا حکم دوں تو اس پر بقدر استطاعت عمل کیا کرو اور جب میں کسی چیز سے روک دوں تو اس کو چھوڑ دیا کرو

اس میں کوئی شک نہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ اس بات پر قادر تھے کہ حج کو ہر سال فرض فرمادیتے، لیکن آپ نے اپنی امت پر رحم وکرم فرماتے ہوئے انہیں مشقت سے بچانے کے لیے ایک بار کی فرضیت کو برقرار رکھا، سائل نے بار بار فرضیت حج کے تعلق سے سوال کیا لیکن آپ خاموش رہے اور بعد میں تنبیہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جتنا حکم دیا جائے اس پر عمل کرو، غیر ضروری سوالات کے ذریعہ اپنے لیے مشقتوں کے دروازے نہ کھولو، یہ تمھارے لیے ہلاکت کا باعث ہوگا۔

سیرت نبوی کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ سرکار اقدس ﷺ نے صرف ایک ہی حج فرمایا، حالاں کہ آپ ایک سے زیادہ بھی حج ادا کرسکتے تھے۔ مکہ شریف کی فتح سن ۸ھ رمضان المبارک کے مہینے میں ہوئی، اس کے بعد آپ ۸ھ اور ۹ھ کے حج میں شرکت فرمانے پر قادر تھے، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا، دراصل آپ کے پیش نظر ایک طرف حج جیسی عظیم عبادت تھی اور دوسری طرف اپنی امت کا خیال تھا[1]، اگر آپ دوبار حج فرمالیتے مسلمان یہ سوچ کر اپنے آپ کو دو حج کا مکلف بنالیتے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے دو حج ادا فرمائے ہیں لہذا ہمیں

(1)۔ سن ۸ھ اور ۹ھ میں سرکار اقدس ﷺ کے حج نہ ادا فرمانے کی اگرچہ یہ علت بھی بیان کی گئی ہے کہ ان سالوں میں مشرکین بھی حج کیا کرتے تھے اور وہاں بعض شرکیہ افعال انجام دیتے تھے، بعض مشرکین جاہلیت کے رسوم کو ادا کرتے ہوئے ننگے طواف بھی کیا کرتے تھے، اس لیے سرکار نے ان سالوں میں حج نہیں ادا فرمایا، لیکن خالص اسی وجہ سے آپ نے حج ادا نہیں فرمایا اس بات کو مکمل طور سے اگرچہ غلط نہیں کہا جاسکتا لیکن اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ ان افعال کو روکنے پر قادر تھے لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا، ممکن ہے دونوں وجوہات آپ کے پیش نظر رہی ہوں۔ ساجد رضا مصباحی

بھی آپ کی سنت ادا کرتے ہوئے کم از کم دو حج ادا کرنے چاہیے، اور یہ ان کے لیے مشقت کی بات ہوتی۔

آپ نے صرف ایک حج فرمایا اور اس حج میں حجاج کرام کے لیے بے شمار آسانیاں فراہم کر گئے، حج کا عمل نماز روزے کی طرح بار بار انجام نہ دیے جانے کی وجہ سے ہر شخص کو ٹھیک طرح سے اس کے مسائل معلوم یاد نہیں ہوتے ہیں، غلطیوں کا صدور بارہا ہو جاتا ہے، لیکن سرکار اقدس صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارکان حج کی ادائیگی میں قدرے تغیر کو حج کے لیے خلل نہیں قرار دیا، حج کے موقع پر صحابہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنی اپنی غلطیاں بیان کرتے جاتے اور آپ ان پر رحم وکرم کا فیض لٹاتے جاتے، اس سلسلے میں حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص کی روایت بڑی اہمیت کی حامل ہے:

عن عبد الله بن عمرو بن العاص، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم وقف في حجة الوداع بمنى للناس يسألونه، فجاءه رجل فقال لم أشعر فحلقت قبل أن أذبح. فقال " اذبح ولا حرج ". فجاء آخر فقال لم أشعر، فنحرت قبل أن أرمي. قال " ارم ولا حرج ". فما سئل النبي صلى الله عليه وسلم عن شيء قدم ولا أخر إلا قال افعل ولا حرج.[1]

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ حجۃ الوداع میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے مسائل دریافت کرنے کی وجہ سے منیٰ میں ٹھہر گئے۔ تو ایک شخص آیا اور اس نے کہا کہ میں نے بے خبری میں ذبح کرنے سے پہلے سر منڈا لیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اب) ذبح کر لے اور کچھ حرج نہیں۔ پھر دوسرا آدمی آیا، اس نے کہا کہ میں نے بے خبری میں رمی کرنے سے پہلے قربانی کر لی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اب) رمی کر لے۔ (اور پہلے کر دینے سے) کچھ حرج نہیں۔

(1)۔البخاری: کتاب العلم ، باب الفتیا وھو واقف علی الدابة وغیرھا. مسلم: کتاب الحج ، باب من حلق قبل النحر او نحر قبل الرمی

ابن عمرو کہتے ہیں (اس دن) آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جس چیز کا بھی سوال ہوا، جو کسی نے آگے اور پیچھے کرلی تھی۔ تو آپ نے یہی فرمایا کہ اب کرلے اور کچھ حرج نہیں۔

حج کے دوران مزدلفہ میں رات گزارنے کے بعد صبح رمی جمرات کے لیے روانہ ہوا جاتا ہے ،لیکن سرکار دوعالم ﷺ نے ضعیفوں پر رحم کھاتے ہوئے یہ اجازت دی ہے کہ وہ فجر سے قبل ہی مزدلفہ سے منیٰ کے لیے روانہ ہوجائیں تاکہ بھیڑ بھاڑ ہونے سے پہلے ہی وہاں پہنچ کر رمی جمرات کرسکیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے:

قالت نزلنا المزدلفة فاستأذنت النبي صلى الله عليه وسلم سودة أن تدفع قبل حطمة الناس، وكانت امرأة بطيئة، فأذن لها، فدفعت قبل حطمة الناس، وأقمنا حتى أصبحنا نحن، ثم دفعنا بدفعه، فلأن أكون استأذنت رسول الله صلى الله عليه وسلم كما استأذنت سودة أحب إلي من مفروح به.[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب ہم نے مزدلفہ میں قیام کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو لوگوں کے اژدہام سے پہلے روانہ ہونے کی اجازت دے دی تھی، وہ بھاری بھرکم بدن کی خاتون تھیں، اس لیے آپ نے اجازت دے دی چنانچہ وہ اژدہام سے پہلے روانہ ہوگئیں۔ لیکن ہم وہیں ٹھہرے رہے اور صبح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گئے اگر میں بھی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی طرح آپ سے اجازت لیتی تو مجھ کو تمام خوشی کی چیزوں میں یہ بہت ہی پسند ہوتا۔

حج کے موقع پر یہ ساری سہولیات محض اپنی امت کو مشقت سے بچانے کے لیے

(1)۔البخاری: كتاب الحج ، باب من قدم ضعفة اهله بليل فيقفون بمزدلفة و يدعون و يقدم اذاغاب القمر .مسلم: كتاب الحج،باب استحباب تقديم دفع الضعفة من النساء وغيرهن من مزدلفة

ان پر رحم وکرم ہی کی وجہ سے ہے، قدم قدم پر آسانیاں فراہم کرنا اور مشقتوں کا ازالہ یقینا سرکار دوعالم ﷺ کی بے پناہ رحمت ورافت کی علامت ہے۔

وصدق اللہ العظیم حین قال: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿١٠٧﴾

☆☆☆

جہاد میں رحم وکرم

جہاد بھی نماز، روزہ، حج اور زکات کی طرح ایک عبادت ہے، بلکہ نبی کریم ﷺ نے جہاد کو اسلام کی عظمت و رفعت کا سبب قرار دیا ہے، حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

الا اخبرك براس الامر كله وعموده وذروة سنامه؟ قلت : بلیٰ یارسول الله،قال:راس الامر الاسلام ،وعموده الصلاة،وذروة سنامه الجهاد۔ (1)

ترجمہ: کیا میں تمہیں تمام امور کا اصل ستون اور کوہان کی بلندی نہ بتادوں؟ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! ارشاد فرمائیں، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تمام اعمال کا سردار اسلام ہے، ستون نماز ہے اور کوہان کی بلندی جہاد ہے۔

باب جہاد میں مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کے رحم وکرم کے دو پہلو ہیں، ایک تو ان مجاہدین پر رحم وکرم کی برسات جو اللہ کی راہ میں جہاد کا جذبہ لے کر میدان کارزار میں سرگرم ہونے کے لیے تیار ہیں یا میدان جہاد میں دادِ شجاعت دے رہے ہیں دوسرے وہ غیر مسلمین جن کے ساتھ جنگ ہو رہی ہے، دوسرے پہلو پر ہم آئندہ صفحات میں گفتگو کریں گے، یہاں ہماری گفتگو کا محور وہ مسلمان ہیں جو جہاد میں شریک ہوئے یا جہاد میں شرکت کی تمنا رکھتے تھے۔

جہاد ظلم وعدوان کے سد باب کا ذریعہ ہے اور حقوق اللہ و حقوق العباد کی حفاظت کا ضامن بھی ہے، جہاد نہ صرف یہ کہ امن و امان کا باعث ہے بلکہ بقائے انسانیت کے لیے ضروری بھی ہے، ان تمام فضیلتوں اور کرامتوں کے باوجود آقائے کریم ﷺ مجاہدین اسلام پر جہاد کے سلسلے میں سختی فرماتے نظر نہیں آتے ہیں بلکہ ان پر ہر مرحلے میں سرکار اقدس ﷺ کے رحم وکرم کی بارشیں ہوتی ہیں، کسی کو جہاد میں شرکت کے

(1)۔الترمذی: کتاب الایمان، باب ماجاء فی حرمة الصلاة

لیے مجبور نہیں کیا جاتا، معذور اور کمزور افراد کو حکم جہاد سے مستثنیٰ رکھا جاتا ہے۔

اسلامی جہاد کے باب میں غزوات اور سرایا دو قسم کی جنگوں کا تذکرہ آتا ہے ،غزوات ان جنگوں کو کہا جاتا ہے جن میں آقائے کریم ﷺ نے بنفس نفیس شرکت فرمائی جب کہ سرایا کا لفظ ان جنگوں کے لیے استعمال کیا جاتا ہے جو سرکار کے زمانہ میں ہوئیں لیکن سرکار اقدس ﷺ نے ان میں شرکت نہیں فرمائی۔یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سید عالم ﷺ اللہ کی راہ میں قربانی اور جہاد فی سبیل اللہ کے شدید مشتاق تھے، پھر بھی آپ نے ان جنگوں میں شرکت کیوں نہیں فرمائی،اس سوال کا جواب خود آقائے کریم ﷺ نے حدیث پاک میں دیا ہے:

والذی نفسی بیده لولا أن رجالا من المؤمنین لا تطیب أنفسهم أن یتخلفوا عنی، ولا أجد ما أحملهم علیه، ما تخلفت عن سریة تغزو فی سبیل الله، والذی نفسی بیده لوددت أنی أقتل فی سبیل الله ثم أحیا، ثم أقتل ثم أحیا، ثم أقتل ثم أحیا، ثم أقتل.[1]

ترجمہ: اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے! اگر مسلمانوں کے دلوں میں اس سے رنج نہ ہو کہ میں ان کو چھوڑ کر جہاد کے لیے نکل جاؤں اور مجھے خود اتنی سواریاں میسر نہیں ہیں کہ ان سب کو سوار کر کے اپنے ساتھ لے چلوں تو میں کسی چھوٹے سے چھوٹے ایسے لشکر کے ساتھ جانے سے بھی نہ رکتا جو اللہ کے راستے میں غزوہ کے لیے جا رہا ہوتا۔اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! میری تو آرزو ہے کہ میں اللہ کے راستے میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں پھر قتل کیا جاؤں اور پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کر دیا جاؤں۔

(1)۔البخاری: کتاب الجهاد والسیر، باب تمنی الشهادة.مسلم: کتاب الجهاد والخروج فی سبیل الله

یعنی مصطفیٰ جان رحمت ﷺ ہر جہاد میں شرکت کی تمنا رکھتے تھے اور آپ کے پاس جہاد میں شرکت کے لیے سواری اور ہتھیار وغیرہ بھی مہیا تھے، لیکن آپ نے صرف اس لیے تمام جہادوں میں شرکت نہیں فرمائی کہ مسلمانوں کے پاس اتنی سواریاں نہیں تھیں جو سارے مسلمانوں کے لیے کافی ہوتیں، ایسے عالم میں اگر خود سرکار دوعالم ﷺ جہاد کے لیے نکل پڑتے اور دوسرے مسلمان پیچھے رہ جاتے تو یہ مسلمان اپنی حرماں نصیبی کی وجہ سے رنج وتکلیف میں مبتلا ہوتے جسے مصطفیٰ جان رحمت ﷺ نے گوارا نہیں فر مایا، بلا شبہہ یہ امت پر آپ کی انتہائی رحم وکرم کی دلیل ہے۔

حضرت عمرو بن جموح ضعیف العمر اور معذور صحابی تھے اور جنگ بدر میں شرکت کے لیے تیار تھے، نبی کریم ﷺ نے ان کے بیٹوں سے فرمایا کہ اپنے والد کو جنگ میں شرکت سے روک دو کیوں کہ وہ ضعیف و معذور ہیں، جنگ بدر کے بعد جنگ احد کی تیاری ہونے لگی تو حضرت عمرو بن جموح نے اپنے بیٹوں سے فرمایا کہ تم لوگوں نے مجھے جنگ بدر میں شرکت سے روک دیا، لیکن اب جنگ احد میں شرکت سے نہ روکنا، بیٹوں نے باپ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہاد سے معذور رکھا ہے۔ (یعنی آپ کے لیے جہاد کا حکم نہیں ہے) تو وہ رسول کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور عرض کیا: میرے بیٹے چاہتے ہیں کہ مجھے اپنے گھر میں قید رکھیں اور آپ کے ساتھ جہاد میں شرکت نہ کرنے دیں، قسم اللہ کی میں چاہتا ہوں کہ میں لنگڑے پاؤں سے جنت میں سیر کروں۔ تو سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اما انت فقد عذرك الله، ولا جهاد عليك۔

ترجمہ: تمہیں اللہ نے معذور رکھا ہے، تم پر جہاد فرض نہیں۔

اور ان کے بیٹوں سے فرمایا:

لا عليكم ان لا تمنعوا لعل الله ان يرزقه الشهادة۔

ترجمہ: تمہیں ان کو جہاد سے نہیں روکنا چاہیے، شاید انہیں شہادت نصیب ہو جائے۔

وہ صحابی ہتھیار لے کر تیار ہو گئے اور دعا کی:

اللھم ارزقنی الشھادۃولا تردنی الیٰ اھلی جانبا

ترجمہ: اے اللہ مجھے شہادت نصیب فرمااوراپنے اہل خانہ کی جانب نہ لوٹا۔

ان کی دعا مقبول ہوئی اور جنگ احد میں شہید کردیے گئے توان کی بیوی ہند بنت عمرو آئیں اور انہیں اور اپنے بھائی عبد اللہ بن عمرو بن حرام کو اٹھاکر اکٹھا کیا پھر دونوں ایک ہی قبر میں دفن کیے گئے، رسول کریم ﷺ نے اس موقع پر ارشاد فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لقد رأئیتہ بطأ الجنۃ بعرجتہ[1]

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے میں اسے جنت میں لنگڑاکر چلتے ہوئے دیکھ رہاہوں۔

اس واقعے میں متعدّد جہتوں سے سرکار اقدس ﷺ کی رحمتوں کا ظہور ہوتا ہے، اولا تو آپ نے اپنے صحابی عمرو بن جموح پر ان کی ضعیفی اور معذوری کی وجہ سے رحم کھاتے ہوئے جہاد میں شرکت سے منع فرمادیا، خاص طور سے اس لیے بھی کہ جنگ بدر میں ان کے چار چار بیٹے شریک تھے، لہذا گھر کی ضروریات کے لیے بھی ان کا گھر میں رہنا ضروری تھا ،لیکن جب جنگ احد میں آقائے کریم ﷺ نے جہاد کے لیے ان کا شدت اشتیاق ملاحظہ فرمایااور شوق شہادت دیکھی توانہیں اس سعادت سے سرفراز فرمانے کے لیے جنگ میں شرکت کی اجازت دے دی اور ان کے بیٹوں سے فرمایا کہ انہیں نہ روکو ہو سکتا ہے وہ شہادت کے شرف سے مشرف ہوں، پھر جب انہیں شہادت نصیب ہوگئی توپس ماندگان کی تسکین قلب کے لیے ان کے مقام ومرتبے کو بھی ظاہر فرمادیا اور ان کے لیے جنت کی بشارت سنائی، یقیناحدیث پاک کی سطر سطر سے آقائے کریم ﷺ کی رحمت ورافت عیاں ہو رہی ہے۔

فتح مکہ کاموقع ہے اسلامی لشکر مکۃ المکرمۃ کی جانب رواں دواں ہے، لشکر اسلام کا ہر ہر فرد روزے کی حالت میں ہے، سرور کائنات، مصطفیٰ جان رحمت ﷺ بھی روزے کی

(1)۔اسد الغابۃ ۷۰۲۳

حالت میں ہیں، آپ کو خبر ملی کہ روزے کی وجہ سے صحابہ بے چین و بے قرار ہیں اور نہایت شدت میں مبتلا ہیں، عصر کے بعد کا وقت ہے، اس حالت میں ذرا اپنے مجاہدین کے ساتھ سرکار دوعالم ﷺ کا انتہائی رحم وکرم ملاحظہ فرمائیں:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

خرج رسول الله ﷺ عام الفتح الیٰ مکة فی رمضان ،فصام حتیٰ بلغ کراع الغمیم ،فصام الناس، فدعا بقدح من ماء فرفعه حتیٰ نظر الناس الیه، ثم شرب، فقیل له بعد ذلك، ان بعض الناس قد صام ،فقال: اولئك العصاة اولئك العصاة[1]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ والے سال رمضان میں مکہ شریف کے لیے نکلے تو آپ نے روزہ رکھا، جب کراع الغمیم[2] کے پاس پہنچے تو لوگوں نے بھی روزہ رکھا، پھر آپ نے پانی کا ایک پیالہ منگوایا پھر اسے بلند کیا یہاں تک کہ لوگوں نے اسے دیکھ لیا پھر آپ نے اسے نوش فرمالیا، آپ سے عرض کیا گیا کہ کچھ لوگ اب بھی روزہ رکھے ہوئے ہیں تو آپ نے ارشاد فرمایا: یہ لوگ نافرمان ہیں، یہ لوگ نافرمان ہیں۔

آقائے کریم ﷺ سفر کی حالت میں تھے، حالت سفر میں اللہ تعالیٰ نے افطار کی اجازت دی ہے، آپ نے جب ملاحظہ فرمایا کہ صحابہ کرام پر روزہ مشقت کا باعث ہے تو آپ نے اس خیال سے افطار فرمالیا کہ آپ کو دیکھ کر تمام صحابہ افطار کرلیں اور اس مشقت سے نجات پائیں، یہ صورت حال عصر اور مغرب کے درمیان پیش آئی تھی، افطار کا وقت قریب تھا، تھوڑی ہی دیر بعد افطار کا وقت ہونے والا تھا لیکن آپ نے اپنے

(1)۔مسلم: کتاب الصیام ، باب جواز الصوم والفطر فی شهر رمضان للمسافر فی غیر معصیة

(2)۔کراع الغمیم: مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان مکہ شریف سے ساٹھ یا چوسٹھ کیلو میٹر کی دوری پر واقع ایک جگہ کا نام ہے۔

مجاہدین کی پریشانی کا لحاظ فرماتے ہوئے سب سے پہلے خود افطار کیا، تاکہ جہاد کی مشقت اور روزے کی مشقت جمع ہوکر صحابہ کرام پر گراں بار نہ ہوجائے، بعض حضرات نے یہ سوچا کہ افطار کا وقت قریب ہے لہذا روزہ مکمل کرلیں اسی خیال سے انہوں نے افطار نہیں کیا تو ایسے افراد کو سرکار اقدس ﷺ نے نافرمان قرار دیا کیوں کہ ان لوگوں نے اپنے آپ پر رحم نہیں کیا اور نہ ہی ان لوگوں کا خیال کیا جو ان کی اقتدا میں روزہ رکھ کر مشقت میں مبتلا ہوتے، یقینا مجاہدین پر یہ آپ کی حد درجہ کرم فرمائی اور رحمت ہی تھی جو دن کے آخری حصے میں افطار کا باعث بنی۔

آپ اپنے مجاہدین صحابہ کے زخموں کا خود علاج فرمایا کرتے تھے، اور ان کی مدارات کا اہتمام فرمایا کرتے تھے، مسلم شریف کی حدیث پاک ہے:

وقد رمى سعد بن معاذ رضى الله عنه فى اكحله ، فحسمه النبى ﷺ بيده بمشقص ثم ورمت فحسمه الثانية[1]

ترجمہ: حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بازو کی ایک رگ میں تیر لگا تو نبی کریم ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھ سے تیر کے پھل کے ساتھ اس کو داغا، ان کا ہاتھ سوج گیا تو آپ نے اس کو دوبارہ داغا۔

آپ کے صحابہ کو جب کوئی زخم پہنچتا یا وہ شہید کر دیے جاتے تو آپ غمگین ہوجاتے، ان کے غم میں روتے، حالاں کہ وہ شہادت کے مرتبے پر فائز ہوتے تھے، لیکن ان سے حد درجہ محبت اور رحم وکرم کی بنیاد پر آپ کا دل پسیج جاتا اور آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

أن النبى صلى الله عليه وسلم نعى زيدا وجعفرا وابن رواحة للناس، قبل أن يأتيهم خبرهم فقال " أخذ الراية زيد فأصيب، ثم أخذ جعفر فأصيب، ثم أخذ ابن رواحة فأصيب.وعيناه تذرفان،حتى أخذ الراية سيف

(1)۔مسلم: کتاب السلام، باب لکل داء دواء واستحباب التداوی

من سیوف الله حتی فتح الله علیهم.[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید، جعفر اور عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کی خبر اس وقت صحابہ رضی اللہ عنہم کو دے دی تھی جب ابھی ان کے متعلق کوئی خبر نہیں آئی تھی۔ آپ فرماتے جارہے تھے کہ اب زید رضی اللہ عنہ جھنڈا اٹھائے ہوئے ہیں، اب وہ شہید کردیئے گئے، اب جعفر رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اٹھالیا، وہ بھی شہید کردیئے گئے۔ اب ابن رواحہ رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اٹھالیا وہ بھی شہید کردیے گئے۔ آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ آخر اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اللہ نے ان کے ہاتھ پر فتح عنایت فرمائی۔

جب صحابہ کرام جہاد کے لیے روانہ ہوتے تو آپ ان کے لیے تسکین کے الفاظ ارشاد فرماتے، انہیں نصیحت فرماتے اور لوگوں کو مجاہدین صحابہ کے اہل خانہ کی نگرانی اور ان کے ساتھ اچھے برتاؤ کا حکم دیا کرتے تھے:

حدثني زيد بن خالد رضي الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال " من جهز غازيا في سبيل الله فقد غزا، ومن خلف غازيا في سبيل الله بخير فقد غزا ".[2]

زید بن خالد رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے اللہ کے راستے میں غزوہ کرنے والے کو ساز وسامان دیا تو وہ (گویا) خود غزوہ میں شریک ہوا اور جس نے خیر خواہانہ طریقہ پر غازی کے گھر بار کی نگرانی کی تو وہ (گویا) خود غزوہ میں شریک ہوا۔

جب کوئی صحابی شہید ہوجاتے تو آپ بنفس نفیس ان کے گھر تشریف لے

(1)۔اسد الغابة ۲/۲۳۹. تاریخ الطبری ۲/۱۰۰

(2)۔البخاری: کتاب الجهاد والسیر، باب فضل من جهز غازیا او خلفه بخیر

جاتے انہیں تسلی اور بشارت دیتے تاکہ مجاہدین کو یہ اطمینان رہے کہ ان کے بعد ان کے اہل خانہ کی حفاظت اور نگرانی کرنے والا کوئی موجود ہے۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

أن النبی صلی الله علیه وسلم لم یکن یدخل بیتا بالمدینة غیر بیت أم سلیم إلا علی أزواجه، فقیل له، فقال: إنی أرحمها، قتل أخوها معی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں اپنی بیویوں کے سوا اور کسی کے گھر نہیں جایا کرتے تھے مگر ام سلیم کے پاس جاتے۔ آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب اس کے متعلق پوچھا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اس پر رحم آتا ہے، اس کا بھائی (حرام بن ملحان) میرے کام میں شہید کر دیا گیا۔

جنگ سے فرار ایک عظیم جرم ہے جس کو گناہ کبائر میں شمار کیا گیا ہے، اس کی صراحت خود سرکار دوعالم ﷺ نے فرمائی ہے، اس کے باوجود سرکار دوعالم ﷺ عادت کے طور پر پیٹھ دکھانے والوں اور حادثاتی طور پر فرار اختیار کرنے والوں کے درمیان فرق فرمایا کرتے تھے، ایسے افراد پر آپ رحم فرمایا کرتے تھے، جیسا کہ غزوہ احد کے موقع پر غیر معمولی حالات پیدا ہو جانے کی وجہ سے بعض مسلمانوں نے فرار اختیار کیا تھا، لیکن آپ نے نہ تو ان کو ملامت کی اور نہ کسی طرح سے سرزنش فرمائی، بلکہ اگلی جنگ کے لیے انہی صحابہ کو تیار کیا بلکہ اس میں اصحاب احد کے علاوہ دوسرے صحابہ کو شامل ہی نہیں فرمایا تاکہ ان کا اعتماد بحال رہے اور وہ احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوں۔

باب چہارم

حالت موت اور موت کے بعد رحم وکرم

حالت موت اور موت کے بعد رحم وکرم

موت حق ہے جو اللہ تعالیٰ کا اٹل قانون ہے، موت کی حقیقت کا معترف دنیا کا ہر انسان ہے، موت کا قانون اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید میں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ[1]

ترجمہ: ہر جان کو موت چکھنی ہے۔

دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ[2]

ترجمہ: ہر چیز فانی ہے سوا اس کی ذات کے۔

اس میں بھی کوئی شک نہیں موت مرنے والے اور اس کے عزیز واقارب کے لیے ایک عظیم مصیبت ہے، مرنے والا جہاں موت کی سختیوں کا سامنا کرتا ہے وہیں اس کے عزیز واقارب بھی غم واندوہ میں ڈوب جاتے ہیں، والدین کا سینہ چھلنی ہوجاتا ہے، بھائیوں کے دل دہل جاتے ہیں، بیوی کا سہاگ اجڑ جاتا ہے، بچے یتیم ہوجاتے ہیں، خویش واقارب کا سہارا ختم ہوجاتا ہے، گھر ویران ہوجاتا ہے، امیدیں حسرت ویاس میں تبدیل ہوجاتی ہیں گویا اہل خانہ کے چمنستان حیات میں خزاں اپنا دامن پسار دیتا ہے، ایسے وقت میں انسان ایک سہارے کا محتاج ہوتا ہے، تسلی کے دو بول اس کے زخموں کا مرہم بنتے ہیں، اپنائیت کا اظہار ان کے غموں کو ہلکا کرتا ہے، مرنے والے کے لیے ایصال ثواب اور دعائے مغفرت ہی آخری سہارا رہ جاتا ہے، سرکار دوجہاں، غم خوار امت، رحمت بے کساں ﷺ اس موقع پر بھی رحم وکرم کے دریا بہاتے نظر آتے ہیں، مایوسی اور ناامیدی کے اس عالم میں اپنے صحابہ کے درمیان

(1)۔آل عمران: ۱۸۵

(2)۔القصص: ۸۸

سراپا رحمت ورافت بن کر ان کے غم کا مداوا کرتے نظر آتے ہیں، جانے والے صحابہ حیات مستعار کے شب وروز گزار کر مالک حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہوجاتے ہیں لیکن مصطفیٰ جان رحمت ہیں کہ کبھی پس ماندگان کو تسلی دیتے نظر آتے ہیں، کبھی نماز جنازوں میں شرکت فرماتے نظر آتے ہیں، کبھی مرنے والوں کے لیے دعاے مغفرت فرمارہے ہیں، کبھی اپنے صحابہ کو جنازوں میں شرکت کی ترغیب فرمارہے ہیں، بار بار موت کی یاد دلارہے ہیں، دنیاوی لذات میں گم ہوکر فکر آخرت سے بے نیاز ہوجانے کو خسارہ قرار دے کر آخرت کی تیاری کا درس دے رہے ہیں، ارشاد فرماتے ہیں:

اکثروا ذکر ھاذم اللذات [1]

ترجمہ: لذت ختم کرنے والی چیز کا کثرت سے ذکر کرو۔

کبھی فرماتے ہیں:

کن فی الدنیا کانك غریب او عابر سبیل [2]

ترجمہ: تم دنیا میں ایسے رہو جیسے ایک مفلس آدمی یا مسافر۔

کبھی عمل صالح کی اہمیت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

یتبع المیت ثلاثۃ فیرجعان اثنان و یبقیٰ منه واحد، یتبعه اھله وماله وعمله فیرجع اھله وماله ویبقیٰ عمله [3]

ترجمہ: میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں، اس کے اہل وعیال، اس کا مال اور اس کے اعمال، مال اور اس کے اہل وعیال تو واپس ہوجاتے ہیں اور اس کا عمل اس کے ساتھ رہ جاتا ہے۔

کبھی توبہ کی تلقین فرماتے ہیں: ان اللہ یقبل توبۃ العبد مالم یغرغر [4]

(1)۔الترمذی: رقم الحدیث ۲۳۰۷

(2)۔البخاری کتاب الرقاق، باب قول النبی ﷺ، کن فی الدنیا کانك غریب او....

(3)۔البخاری کتاب الرقاق، باب سکرات الموت، ومسلم کتاب الزھد والرقاق

(4)۔الترمذی: رقم الحدیث ۳۵۳۷

ترجمہ: جب تک غرغرہ کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول فرماتا ہے۔

مرنے والوں پر مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کے بے پناہ رحم وکرم ہی کی وجہ سے آپ کی یہ خواہش ہوتی تھی کہ موت کے وقت آپ ان کے پاس رہیں تاکہ مرنے والے کا خاتمہ بالخیر ہو، آپ کی موجودگی کی برکت سے رحمتوں کا نزول ہو، موت کی شدت میں کمی ہو اور کلمہ توحید کی تلقین کرسکیں۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

کنا نؤذنه لمن حُضِر من موتانا، فیاتیه قبل ان یموت فیحضره، ویستغفر له، وینتظر موته۔ قال: فکان ذلك ربما حسبه الحبس الطویل، فشق علیه۔ قال: فقلنا: ارفق برسول الله ان لا نؤذنه بالمیت حتی یموت۔ قال: فکنا اذ مات منا المیت اذناه به فجاء فی اهله، فاستغفر له وصلی علیه، ثم ان بدا له أن یشهده انتظر شهوده، وان بدا له ان ینصرف انصرف۔ قال: فکنا علیٰ ذلك طبقة اخریٰ۔ [1]

ترجمہ: ہم میں سے کسی کی موت کا وقت قریب ہوتا تو ہم موت سے قبل سرکار دوعالم ﷺ کو اس کی اطلاع کرتے، آپ تشریف لاتے اس کے لیے استغفار فرماتے اور اس کی موت کا انتظار کرتے، کبھی کبھی اسی حالت میں طویل وقت گزر جاتا، یہ آپ کے لیے مشقت کی بات تھی، ہم نے آپس میں طے کیا کہ حضور ﷺ کو میت کی موت کے بعد اطلاع کریں گے، پھر جب ہم میں سے کسی کا انتقال ہوجاتا تو آپ کو اس کی اطلاع کی جاتی، آپ میت کے اہل خانہ کے پاس تشریف لاتے اس کی مغفرت کی دعا فرماتے اور اس کی نماز جنازہ ادا فرماتے، پھر اس کے بعد اگر وہاں موجود رہنے کی ضرورت محسوس کرتے تو موجود رہتے ورنہ واپس ہوجاتے۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم دوسرے طبقے میں تھے۔

آپ جب کسی کی موت کے وقت حاضر رہتے تو لوگوں سے تاکید کے ساتھ فرماتے کہ

(1)۔رواہ احمد

اپنے بھائی کو کلمہ شہادت کی تلقین کرو۔ آپ نے ارشاد فرمایا:

لقنوا موتاکم لا الہ الااللہ (1)

ترجمہ: اپنے مرنے والوں کو کلمہ شہادت لا الہ الااللہ کی تلقین کیا کرو۔

جاں کنی کے وقت اگر آپ مرنے والے کے پاس موجود ہوتے تو انہیں خیر کی بشارت سناتے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے پُر امید رہنے کی تلقین فرماتے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

ان النبی ﷺ دخل علیٰ شاب وھو فی الموت، فقال: کیف تجدك؟ قال: واللہ یارسول اللہ، انی ارجو اللہ، وانی اخاف ذنوبی، فقال رسول اللہ ﷺ: لا یجتمعان فی قلب عبد فی مثل ھذا الموطن الا اعطاہ اللہ ما یرجو وامنہ مما یخاف (2)

ترجمہ: نبی کریم ﷺ ایک نوجوان کے پاس تشریف لے گئے وہ جاں کنی کے عالم میں تھا، آپ نے فرمایا کہ اپنے آپ کو کیسا پاتے ہو، کہنے لگا: یارسول اللہ ﷺ، قسم خدا کی رحمت الٰہی کی امید بھی ہے اور گناہوں کا خوف بھی۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب مومن کے دل میں یہ دونوں باتیں جمع ہوتی ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کے مطابق عطا فرماتا ہے اور جس کا ڈر ہے اس سے بے خوف کرتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میت کی موت کے بعد اس کے گھر والوں کے سامنے اس کی مغفرت کے لیے دعا فرماتے، اس سے میت کے اہل خانہ کو بڑا سکون ملتا، کیوں کہ انہیں معلوم تھا کہ جس کے حق میں سرکار دوعالم ﷺ دعا فرمادیں اس کی مغفرت یقینی ہے اور قبر وحشر کے سارے مراحل آسان ہیں۔

حضرت ام سلمہ روایت کرتی ہیں:

ان رسول اللہ ﷺ دخل علیٰ ابی سلمۃ وقد شق بصرہ فاغمضہ، ثم قال: ان

(1)۔مسلم کتاب الجنائز، باب تلقین المیت لا الہ الا اللہ

(2)۔الترمذی: رقم الحدیث ۹۸۳

الروح اذا قبض تبعه البصر ،فضج ناس من اھله، فقال: لاتدعوا علیٰ انفسکم الا بخیر، فان الملائکة یومنون علیٰ ما تقولون، ثم قال: اللھم اغفر لابی سلمة، وارفع درجته فی المھدیین، واخلفه فی عقبه فی الغابرین، واغفرلنا واله یا رب العالمین، وافسح له فی قبره ونور له فیه۔ (1)

ترجمہ: رسول اللہ ﷺ حضرت ابوسلمہ کے پاس آئے دراں حالیکہ ان کی آنکھیں چڑھ گئیں تھیں، آپ نے ان کی آنکھیں بند کردیں، پھر آپ نے فرمایا، جب روح قبض کی جاتی ہے تو آنکھیں اس کو دیکھتی رہتی ہیں، ان کے گھر والوں نے رونا شروع کردیا، آپ نے فرمایا: اپنے لیے صرف بھلائی کی دعا کرو کیوں کہ ملائکہ تمھاری دعا پر آمین کہتے ہیں، پھر آپ نے دعا کی، اے اللہ !ابوسلمہ کی مغفرت فرما، مہدیین میں اس کا درجہ بلند کر، اور اس کے بعد باقی رہنے والوں کی نگہبانی فرما، ہماری اور اس کی مغفرت فرما، اے رب العالمین اس کی قبر کو کشادہ فرما، اور اس کی قبر کو روشن کر۔

مصطفیٰ جان رحمت ﷺ جب کسی مسلم کی موت کی خبر سنتے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوجاتے، آپ بے چین ہو اٹھتے، آپ کی اس کیفیت کو دیکھ کر صحابہ تعجب کرنے لگتے، وہ سوچتے آپ اس قدر صبر وضبط کے حامل ہیں پھر بھی اپنے صحابہ کی موت کی خبر سن کر کیسے رو پڑتے ہیں، آپ اس کی وضاحت فرماتے یہ اس لیے ہوتا ہے کہ اللہ نے رحم وکرم کا جو جذبہ انسانی دلوں میں ودیعت فرمایا ہے وہی جذبہ رحم وکرم انسان کو رلاتا ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

دخلنا مع رسول الله ﷺ علیٰ ابی سیف القین وکان ظئرا لابراھیم علیه السلام، فاخذ رسول الله صلی الله علیه وسلم ابراھیم فقبله وشمه، ثم دخلنا علیه بعد ذلك وابراھیم یجود بنفسه، فجعلت عینا رسول الله ﷺ تذرفان، فقال له عبد الرحمن بن عوف رضی الله عنه: وانت یارسول الله؟ فقال: یابن عوف: انھا

(1)۔مسلم: کتاب الجنائز، باب فی اغماض المیت

رحمة، ثم اتبعها بأخرىٰ، فقال ﷺ: ان العين تدمع والقلب يحزن ولا تقول الا ما يرضىٰ ربنا وانا بفراقك يا ابراهيم لمحزونون[1]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوسیف لوہار کے یہاں گئے۔ یہ حضرت ابراہیم (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے) کو دودھ پلانے والی کے خاوند تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم رضی اللہ عنہ کو گود میں لیا اور پیار کیا اور سونگھا۔ پھر اس کے بعد ہم ان کے یہاں پھر گئے، دیکھا کہ اس وقت ابراہیم رضی اللہ عنہ دم توڑ رہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔ تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ بول پڑے کہ یارسول اللہ! اور آپ بھی لوگوں کی طرح ضبط نہ کر سکے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابن عوف! یہ بے صبری نہیں، یہ تو رحمت ہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ روئے اور فرمایا۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں اور دل غم سے نڈھال ہے پر زبان سے ہم کہیں گے وہی جو ہمارے پروردگار کو پسند ہے اور اے ابراہیم! ہم تمھاری جدائی سے غمگین ہیں۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کی روایت ہے:

كنا عند النبى صلى الله عليه وسلم إذ جاءه رسول إحدى بناته يدعوه إلى ابنها فى الموت فقال النبى صلى الله عليه وسلم " ارجع فأخبرها أن لله ما أخذ، وله ما أعطى، وكل شىء عنده بأجل مسمى، فمرها فلتصبر ولتحتسب ". فأعادت الرسول أنها أقسمت لتأتينها، فقام النبى صلى الله عليه وسلم وقام معه سعد بن عبادة ومعاذ بن جبل، فدفع الصبى إليه ونفسه تقعقع كأنها فى شن ففاضت عيناه فقال له سعد يا رسول الله. قال " هذه رحمة جعلها الله فى قلوب عباده، وإنما يرحم الله من عباده الرحماء ".[2]

(1)۔البخاری: کتاب الجنائز، باب قول النبی ﷺ وانا بك لمحزونون

(2)۔البخاری: کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمن الخ

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ آپ کی ایک صاحبزادی حضرت زینب کے بھیجے ہوئے ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ حضرت زینب کے ایک صاحب زادے جاں کنی میں مبتلا ہیں اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا رہی ہیں۔ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم جا کر انہیں بتا دو کہ اللہ ہی کا سب مال ہے جو چاہے لے لے اور جو چاہے دے دے اور اس کی بارگاہ میں ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر ہے پس ان سے کہو کہ صبر کریں اور اس پر صبر ثواب کی نیت سے کریں۔ آپ کی صاحبزادی نے دوبارہ آپ کو قسم دے کر کہلا بھیجا کہ آپ ضرور تشریف لائیں۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور آپ کے ساتھ سعد بن معاذ اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما بھی کھڑے ہوئے (پھر جب آپ صاحبزادی کے گھر پہنچے تو) بچہ آپ کو دیا گیا اور اس کی سانس اکھڑ رہی تھی جیسے پرانی مشک کا حال ہوتا ہے۔ یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس پر سعد رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھی ہے اور اللہ بھی اپنے ان ہی بندوں پر رحم کرتا ہے جو رحم دل ہوتے ہیں۔

نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم جنازوں میں شرکت کا بڑا اہتمام فرمایا کرتے تھے، اس کے لیے آپ مشقتیں بھی برداشت فرماتے تھے، صحابہ کرام کو مسلمانوں کے جنازے میں شرکت کی ترغیب دیتے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال " من اتبع جنازة مسلم إيمانا واحتسابا، وكان معه حتى يصلى عليها، ويفرغ من دفنها،

فإنه يرجع من الأجر بقيراطين، كل قيراط مثل أحد، ومن صلى عليها ثم رجع قبل أن تدفن فإنه يرجع بقيراط [1]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو کوئی ایمان رکھ کر اور ثواب کی نیت سے کسی مسلمان کے جنازے کے ساتھ جائے اور نماز اور دفن سے فراغت ہونے تک اس کے ساتھ رہے تو وہ دو قیراط ثواب لے کر لوٹے گا ہر قیراط اتنا بڑا ہوگا جیسے احد کا پہاڑ، اور جو شخص جنازے پر نماز پڑھ کر دفن سے پہلے لوٹ جائے تو وہ ایک قیراط ثواب لے کر لوٹے گا۔

بلکہ سرکار اقدس ﷺ نے میت کا زندوں پر یہ حق قرار دیا ہے کہ اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

حق المسلم على المسلم خمس رد السلام، وعيادة المريض، واتباع الجنائز، وإجابة الدعوة، وتشميت العاطس [2].

مسلمان کے مسلمان پر پانچ حق ہیں سلام کا جواب دینا، مریض کا مزاج معلوم کرنا، جنازے کے ساتھ چلنا، دعوت قبول کرنا، اور چھینک پر (الحمدللہ کے جواب میں) یرحمک اللہ کہنا۔

آج ہم جنازوں میں شرکت کے لیے جاتے ہیں لیکن ہمارا یہ عمل بھی اخلاص پر مبنی نہیں ہوتا، کسی صاحب ثروت کا جنازہ ہے تو پس ماندگان کو دکھانے کے لیے جنازے میں بھیڑ ہو جاتی ہے، وہیں کسی غریب کا جنازہ اٹھتا ہے تو چند گنے چنے افراد ہی نظر آتے ہیں، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو تعلیم دیتے تھے کہ جنازوں میں شرکت پورے اخلاص کے ساتھ ہونی چاہیے اور خلوص قلب کے ساتھ میت کی مغفرت کی دعا کرنی چاہیے

---

(1)۔البخاری: کتاب الایمان، باب اتباع الجنائز من الایمان، ومسلم کتاب الجنائز، باب فضل الصلاۃ علی الجنازۃ واتباعها.

(2)۔البخاری: کتاب الایمان، باب الامر باتباع الجنائز.

دکھاوا یا کسی دنیاوی غرض سے جنازے میں شرکت تقاضائے ایمان کے خلاف ہے۔

فرمان رسالت ہے:

اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا له الدعاء[1]

ترجمہ: جب تم کسی میت کی نماز جنازہ ادا کرو تو اخلاص قلب کے ساتھ اس کی مغفرت کی دعا کرو۔

جب سب لوگ میت کی تدفین سے فارغ ہو جاتے تو آپ ارشاد فرماتے:

استغفروا لاخیکم وسلوا له بالتثبیت فانه الآن یسئل۔[2]

ترجمہ: اپنے بھائی کی مغفرت کی دعا کرو اور اس کے لیے ثابت قدمی کی دعا مانگو، ابھی اس سے سوال کیا جائے گا۔

غزوہ تبوک کے موقع پر جب حضرت ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کو دفن کر کے فارغ ہوئے تو قبلہ رو ہو کر دونوں ہاتھ اٹھائے اور ارشاد فرمایا:

اللھم انی امسیت عنه راضیا فارض عنه[3]

ترجمہ: اے اللہ میں اس سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو جا۔

جب سرکار دوعالم ﷺ نے حضرت ذوالبجادین رضی اللہ عنہ کے لیے یہ دعا فرمائی تو حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ رشک کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ کاش میں ان کی جگہ ہوتا، میں ان سے پندرہ سال قبل ایمان لایا[4] ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری خواہش ہوئی کہ کاش میں

(1)۔سنن الکبریٰ للبیہقی، رقم الحدیث ٦٧٥٥

(2)۔ابو داؤد، رقم الحدیث ٣٢٢١

(3)۔حلیة الاولیا لابی نعیم ١/١٢٢

(4)۔اسد الغابة ١٩٧٣

صاحب قبر ہوتا۔[1]

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

صلی بنا رسول الله ﷺ علیٰ رجل من المسلمین، فسمعته یقول: اللھم ان فلان بن فلاں فی ذمتك، فقه فتنة القبر، قال عبد الرحمن: فی ذمتك وحبل جوارك، فقه من فتنة القبر وعذاب النار وانت اھل الوفاء والحمد، اللھم فاغفر له وارحمه انك انت الغفور الرحیم[2]

ترجمہ: سرکار دوعالم ﷺ نے مسلمانوں میں سے ایک شخص کی نماز جنازہ پڑھائی تو میں نے سنا آپ فرمارہے تھے، اے اللہ! فلاں بن فلاں تیرے ذمہ کرم میں ہے، تیرے ذمہ اور تیرے جوار میں ہے تو اس پر قبر کی آزمائش آسان فرما اور عذاب قبر سے محفوظ فرما، تو اہل وفا میں ہے اور لائق حمد ہے، اے اللہ اس کی مغفرت فرما اور اس پر رحم فرما، بے شک تو بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

رحم وکرم کا یہ برتاؤ صرف ان مرنے والوں ہی کے ساتھ نہیں تھا جو آپ کی صحبت میں رہا کرتے تھے اور عظمت ووقار کے حامل تھے، بلکہ یہی برتاؤ ہر کس وناکس کے ساتھ تھا، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

أن رجلا، أسود أو امرأة سوداء، کان یقم المسجد، فمات، فسأل النبی صلی الله علیه وسلم عنه فقالوا مات. قال " أفلا کنتم آذنتمونی به دلونی علی قبره " أو قال قبرها. فأتی قبره فصلی علیها.[3]

ایک حبشی مرد یا حبشی عورت مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ ایک دن اس کا انتقال ہوگیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق دریافت فرمایا۔ لوگوں نے بتایا

(1)۔حلیة الاولیا لابی نعیم ۱٬۱۲۲

(2)۔ابن ماجه

(3)۔البخاری، کتاب الصلاة، باب کنس المسجد والتقاط الخرق والقذی والعیدان

کہ وہ تو انتقال کر گئی۔ آپ نے اس پر فرمایا کہ تم نے مجھے کیوں نہ بتایا، پھر آپ قبر پر تشریف لائے اور اس پر نماز پڑھی۔

مسلم شریف کی روایت میں اس قدر اضافہ ہے:

ان ھذہ القبور مملوء ۃ ظلمۃ علیٰ اھلھا، وان اللہ عزوجل ینورھا لھم بصلاتی علیھم [1]

ترجمہ: یہ قبریں اندھیروں سے بھری ہوئی ہیں اور میری نماز کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان قبروں کو روشن کردیتا ہے۔

رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے رحم وکرم کی یہ وسعت بھی ملاحظہ فرمائیں:

عبد اللہ بن ابی بن سلول منافقوں کا سردار ہے، اسلام کے خلاف اس کے جرائم کا ایک دفتر ہے، اس نے حضرت عائشہ پر تہمت لگائی، مشرکین کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا اور مسلمانوں کی جمعیت کو توڑنے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اس بدبخت نے رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کو جس طرح ایذا پہنچائی اس کا بیان مشکل ہے لیکن جب اس ناہنجار کی موت ہوئی ہے تو مصطفیٰ جان رحمت صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اس بدترین دشمن کے ساتھ جیسا برتاؤ کیا وہ حسرت کے ساتھ پڑھے جانے کے لائق ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب عبد اللہ بن ابی بن سلول کی موت ہوگئی تو اس کا بیٹا عبد اللہ بن عبد اللہ نبی کریم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اپنی قمیص مبارک عطا فرمادیں تاکہ اس میں وہ اپنے باپ کو کفن دے سکیں، آپ نے بے پناہ فیاضی کا مظاہرہ فرماتے ہوئے انہیں قمیص مبارک عطا فرمادی، پھر اس نے دوسرا سوال کرڈالا کہ آپ میرے باپ کی جنازہ بھی پڑھادیں، آپ ان کی جنازہ پڑھانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے آپ کا دامن پکڑ لیا اور عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ ان کی نماز جنازہ پڑھائیں گے حالاں کہ آپ کو آپ کے

(1)۔مسلم: کتاب الجنائز، باب الصلاۃ علی القبر

رب نے اس سے منع فرمایا ہے، سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:
انما خیرنی اللہ فقال: [1] اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ۭ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً [2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے مجھے اختیار دیا اور فرمایا: تم ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو اگر تم ستر بار ان کی معافی چاہو گے تو اللہ ہرگز انہیں نہیں بخشے گا۔

ایک شدید ترین مجرم کے ساتھ اس طرح رحم وکرم کا برتاؤ صرف محمد عربی ﷺ کی سیرت طیبہ کا حصہ ہے، رحم وکرم کے ان جلوؤں کو دیکھ کر ہر شخص آپ کی شان رحیمی وکریمی کے اعتراف پر مجبور ہے۔

وصدق اللہ العظیم حین قال: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝۱۰۷

(1)۔البخاری: کتاب التفسیر، باب تفیسر سورۃ براءت

(2)۔التوبۃ: ۸۰

اہل قبور پر رحم وکرم

موت ہر گھر اور خاندان میں واقع ہوا کرتی ہے ، اپنوں کے بچھڑنے پر کرب واضطراب کا پایا جانا فطری بات ہے، لیکن گزرتے وقت کے ساتھ غم واندوہ کا بادل چھٹنے لگتا ہے، موت کا زخم مندمل ہوتا جاتا ہے، دنیا کی گہما گہمی میں مصروف ہوکر بیٹا باپ کو بھول جاتا ہے، بلک بلک کر رونے والا باپ بھی کچھ ہی دنوں میں اپنے لخت جگر کے غم کو بھول کر اپنی دنیا میں مگن ہوجاتا ہے، مادر مشفقہ اپنے جگر پارہ کو فراموش کردیتی ہے، ساتھ جینے مرنے کی قسمیں کھانے والے زوجین بھی ایک دوسرے کو بھول جاتے ہیں، آنسوؤں کے چند قطرے ٹپکا کر شریک غم ہونے والے دوست واحباب بھی اپنے رفقا کو بڑی تیزی کے ساتھ بھلا کر نئے دوست ڈھونڈ لیتے ہیں، چند دنوں یا مہینوں تک غم تازہ رہتا ہے تو ایصال ثواب کا سلسلہ جاری رہتا ہے، قبر پر حاضری بھی دی جاتی ہے ، مغفرت کی دعائیں کی جاتی ہیں، طرح طرح سے محبت کا اظہار کیا جاتا ہے، لیکن یہ سلسلہ جلد ہی ختم ہوجاتا ہے، پھر سب کچھ معمول پر آجاتا ہے، گھر کی رونقیں بحال ہوجاتی ہیں، یہ عام انسانوں کا حال ہے اور سماج ومعاشرے کی یہی کیفیت ہے، لیکن مصطفیٰ جان رحمت ﷺ اپنی امت کو کبھی فراموش نہیں فرماتے، انہیں اپنی امت کی فکر موت کی حالت میں بھی ہے موت کے بعد بھی ہے، قبر میں بھی ہے اور حشر میں بھی۔

سرکار دوعالم ﷺ اہل قبور پر رحم وکرم فرماتے ہوئے ان کی قبروں کی زیارت کے لیے حاضر ہوتے، ان کے لیے دعاے مغفرت فرماتے، خود بھی اس کا اہتمام فرماتے اور اپنے صحابہ کو بھی اس کی تلقین فرماتے، آپ نے ارشاد فرمایا:

زوروا القبور، فانها تذکرکم الآخرة[1]

ترجمہ: قبروں کی زیارت کرو اس لیے کہ یہ آخرت کی یاد دلاتی ہے۔

---

(1)۔مسلم: کتاب الجنائز، باب استئذان النبی ربه عزوجل فی زیارة قبر امه

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

کان رسول الله ﷺ کلما کانت لیلتها من رسو الله صلی الله علیه وسلم یخرج من آخر اللیل الی البقیع فیقول: السلام علیکم دار قوم مومنین، واتاکم ماتوعدون غدا موجلون، وانا ان شاء الله بکم لاحقون، اللهم اغفر لاهل بقیع الغرقد۔[1]

ترجمہ: جب رسول اللہ ﷺ کی میرے ہاں باری ہوتی تو آپ رات کے آخری حصے میں بقیع تشریف لے جاتے اور فرماتے اے جماعت مومنین السلام علیکم تمھارے پاس وہ چیز آچکی ہے جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا، انشاءاللہ ہم بھی تمھارے ساتھ لاحق ہونے والے ہیں، اے اللہ بقیع غرقدوالوں کی مغفرت فرما۔

اس حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ مسلسل زیارت قبور کے لیے بقیع شریف تشریف لے جایا کرتے تھے اور اہل قبور کے لیے دعائے مغفرت فرمایا کرتے تھے۔

ایک دوسری حدیث پاک ہے:

عن عقبة بن عامر، أن النبی صلی الله علیه وسلم خرج یوما فصلی علی أهل أحد صلاته علی المیت، ثم انصرف إلی المنبر فقال "إنی فرط لکم، وأنا شهید علیکم، وإنی والله لأنظر إلی حوضی الآن، وإنی أعطیت مفاتیح خزائن الأرض. أو مفاتیح الأرض. وإنی والله ما أخاف علیکم أن تشرکوا بعدی، ولکن أخاف علیکم أن تنافسوا فیها."[2]

عقبہ بن عامر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن باہر تشریف لائے اور احد کے شہیدوں پر اس طرح نماز پڑھی جیسے میت پر پڑھی جاتی ہے۔ پھر

(1)۔مسلم: کتاب الجنائز، باب مایقال عند دخول القبور والدعالاهلها

(2)۔البخاری: کتاب الجنائز، باب الصلاۃ علی الشهید

منبر پر تشریف لائے اور فرمایا۔ دیکھو میں تم سے پہلے جا کر تمھارے لیے میرِ سامان بنوں گا اور میں تم پر گواہ رہوں گا۔ اور قسم اللہ کی میں اس وقت اپنے حوض کو دیکھ رہا ہوں اور مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں یا (یہ فرمایا کہ) مجھے زمین کی کنجیاں دی گئی ہیں اور قسم خدا کی مجھے اس کا ڈر نہیں کہ میرے بعد تم شرک کرو گے بلکہ اس کا ڈر ہے کہ تم لوگ دنیا حاصل کرنے میں رغبت کرو گے۔ (نتیجہ یہ ہوگا کہ آخرت سے غافل ہوجاؤ گے)

سرکار دوعالم ﷺ مسلمانوں کو اپنے مردوں کی دعاے مغفرت کے لیے ابھارتے تھے اور انہیں بار بار یاد دلایا کرتے تھے زندوں کی دعائیں مردوں کے لیے نفع بخش ہوتی ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا:

اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثة الا من صدقة جارية ، اوعلم ينتفع به،اوولد صالح يدعوله [1]

ترجمہ: جب انسان مرجاتا ہے تو اس سے اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے مگر تین چیزیں باقی رہتی ہیں، صدقہ جاریہ، علم نافع اور ولد صالح جو اس کے لیے دعا کرے۔

مصطفیٰ جان رحمت ﷺ پس ماندگان کو میت کا قرض ادا کرنے کی تلقین فرمایا کرتے، آپ نے ارشاد فرمایا:

نفس المومن معلقة بدينه حتىٰ يقضى دينه [2]

ترجمہ: اپنے قرض کی وجہ سے مومن کی روح معلق رہتی ہے یہاں تک کہ اس کا قرض ادا کردیا جائے۔

بلکہ بسا اوقات خود اپنی جانب سے مردے کا قرض ادا فرمایا کرتے تھے، آپ کا ارشاد گرامی ہے:

---

(1)۔مسلم: کتاب الوصية، باب مايلحق الانسان من الثواب بعد وفاته

(2)۔الترمذی: رقم الحديث١٠٧٨

فلما فتح الله علیه الفتوح قال " أنا أولی بالمؤمنین من أنفسهم، فمن توفی من المؤمنین فترك دینا فعلی قضاؤه، ومن ترك مالا فلورثته.[1]

ترجمہ: پھر جب اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر فتح کے دروازے کھول دیے تو آپ نے فرمایا کہ میں مسلمانوں سے خود ان کی ذات سے زیادہ قریب ہوں۔ اس لیے اب جو بھی مسلمان وفات پا جائے اور وہ مقروض رہا ہو تو اس کا قرض ادا کرنا میرے ذمے ہے اور جو مسلمان مال چھوڑ جائے وہ اس کے وارثوں کا حق ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی یہ روایت بھی ملاحظہ فرمائیں:

عن جابر، رضی الله عنه، قال توفی عبد الله بن عمرو بن حرام، وعلیه دین فاستعنت النبی صلی الله علیه وسلم علی غرمائه أن یضعوا من دینه، فطلب النبی صلی الله علیه وسلم إلیهم، فلم یفعلوا، فقال لی النبی صلی الله علیه وسلم " اذهب فصنف تمرك أصنافا، العجوة علی حدة، وعذق زید علی حدة، ثم أرسل إلی ". ففعلت، ثم أرسلت إلی النبی صلی الله علیه وسلم فجلس علی أعلاه، أو فی وسطه ثم قال " کل للقوم ". فکلتهم حتی أوفیتهم الذی لهم، وبقی تمری، کأنه لم ینقص منه شیء. وقال فراس عن الشعبی حدثنی جابر عن النبی صلی الله علیه وسلم، فما زال یکیل لهم حتی أداه، وقال هشام عن وهب عن جابر قال النبی صلی الله علیه وسلم " جذ له فأوف له.[2]

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ جب عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ (میرے باپ) شہید ہو گئے تو ان کے ذمے (لوگوں کا) کچھ قرض باقی تھا۔ اس لیے میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کوشش کی کہ قرض خواہ اپنے

(1)۔البخاری: کتاب الکفالة، باب الدین

(2)۔البخاری: کتاب البیوع، باب الکیل علی البائع والمعطی

قرضوں کو کچھ معاف کردیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض خواہوں کو بلایا، لیکن وہ نہیں مانے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا کہ جاؤ اپنی تمام کھجور کی قسموں کو الگ الگ کرلو۔ عجوہ (ایک خاص قسم کی کھجور) کو الگ رکھ اور عذق زید (کھجور کی ایک قسم) کو الگ کر۔ پھر مجھے بلا بھیج۔ میں نے ایسا ہی کیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہلا بھیجا۔ آپ تشریف لائے اور کھجوروں کے ڈھیر پر یا بیچ میں بیٹھ گئے اور فرمایا کہ اب ان قرض خواہوں کو ناپ کردو۔ میں نے ناپنا شروع کیا۔ جتنا قرض لوگوں کا تھا۔ میں نے سب کو ادا کردیا، پھر بھی تمام کھجور جوں کی توں تھی۔ اس میں سے ایک دانہ برابر کی کمی نہیں ہوئی تھی۔ فراس نے بیان کیا کہ ان سے شعبی نے، اور ان سے جابر رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ " برابر ان کے لیے تولتے رہے، یہاں تک کہ ان کا پورا قرض ادا ہو گیا۔ اور ہشام نے کہا، ان سے وہب نے، اور ان سے جابر رضی اللہ عنہ نے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کھجور توڑ اور اپنا قرض پورا ادا کردے۔

مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کا رحم وکرم صرف اہل خیر اور اصحاب زہد وتقویٰ مُردوں ہی کے ساتھ خاص نہیں تھا بلکہ آپ کا ابرِ کرم گنہ گاروں اور خطا کاروں پر بھی برستا تھا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

عن ابن عباس، قال مر النبی صلی الله علیه وسلم بحائط من حیطان المدینة أو مکة، فسمع صوت إنسانین یعذبان فی قبورهما، فقال النبی صلی الله علیه وسلم " یعذبان، وما یعذبان فی کبیر "، ثم قال " بلی، کان أحدهما لا یستتر من بوله، وکان الآخر یمشی بالنمیمة ". ثم دعا بجریدة فکسرها کسرتین، فوضع علی کل قبر منهما کسرة. فقیل له یا رسول الله لم فعلت هذا قال " لعله أن یخفف عنهما ما لم تیبسا أو إلی أن ییبسا ".[1]

(1)۔البخاری: کتاب الوضو، باب من الکبائر ان لا یستتر من بوله

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ مدینہ یا مکہ کے ایک باغ میں تشریف لے گئے۔(وہاں) آپ نے دو شخصوں کی آواز سنی جنھیں ان کی قبروں میں عذاب کیا جارہا تھا۔ آپ نے فرمایا کہ ان پر عذاب ہو رہا ہے اور کسی بہت بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں پھر آپ نے فرمایا بات یہ ہے کہ ایک شخص ان میں سے پیشاب کے چھینٹوں سے بچنے کا اہتمام نہیں کرتا تھا اور دوسرا شخص چغل خوری کیا کرتا تھا۔ پھر آپ نے (کھجور کی) ایک ڈالی منگوائی اور اس کو توڑ کر دو ٹکڑے کیا اور ان میں سے (ایک ایک ٹکڑا) ہر ایک کی قبر پر رکھ دیا۔ لوگوں نے آپ سے پوچھا: یارسول اللہ! آپ نے ایسا کیوں کیا۔ آپ نے فرمایا: اس لیے کہ جب تک یہ ڈالیاں خشک ہوں شاید اس وقت تک ان پر عذاب کم ہو جائے۔

دنیا سے رخصت ہو جانے والوں کے ساتھ رحم وکرم کا یہ مظاہرہ سیرت مصطفیٰ جان رحمت ﷺ ہی کا حصہ ہے۔

وصدق اللہ العظیم حین قال: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

بروز قیامت مسلمانوں پر رحم وکرم

رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کا رحم وکرم تمام شعبہائے حیات کو محیط ہے، اس کی اک جھلک ہم نے گزشتہ صفحات میں پیش کرنے کی کوشش کی۔ اب سرکار دوعالم ﷺ کے رحم وکرم کی انتہا ملاحظہ فرمائیں، آپ انسانوں کو نہ صرف یہ کہ دنیاوی زندگی میں اپنی امت کے لیے سراپا رحمت ہیں بلکہ بعدِ موت قبر وحشر میں آپ کی رحمتیں ہماری دستگیری کرتی نظر آئیں گی۔ قیامت کا دن بڑا ہولناک ہوگا، وہاں کوئی کسی کا پُرسان حال نہ ہوگا، اپنے بیگانوں جیسا برتاؤ کریں گے، وہاں کوئی رشتہ کام آئے گا نہ کوئی دوستی، لوگ پریشان حال اپنی نجات کے لیے سرگرداں ہوں گے، ایسے عالم میں ایک ہی امید گاہ ہوگی، ایک ہی سہارا ہوگا، وہ سہارا مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کا ہوگا۔ رحمت عالم ﷺ کے رحم وکرم کے جلوؤں کا مشاہدہ میدان محشر میں بھی ہو رہا ہوگا، چاروں طرف آپ ہی کی دھومیں ہوں گی، ہر زبان پر آپ ہی کا چرچا ہوگا۔

نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو اس ہولناک دن سے ڈرنے کی بار بار تاکید فرمائی ہے اور بڑے تفصیل سے اس کی ہولناکیوں کو بیان فرماکر ہمیں اس کی تیاری کرنے کی تلقین کی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

عن أنس رضی الله عنه. أن رجلا، سأل النبی صلی الله علیه وسلم عن الساعة، فقال متی الساعة قال " وماذا أعددت لها ". قال لا شیء إلا أنی أحب الله ورسوله صلی الله علیه وسلم. فقال " أنت مع من أحببت ". قال أنس فما فرحنا بشیء فرحنا بقول النبی صلی الله علیه وسلم " أنت مع من أحببت ". قال أنس فأنا أحب النبی صلی الله علیه وسلم وأبا بکر وعمر، وأرجو أن أکون معهم بحبی إیاهم، وإن لم أعمل بمثل أعمالهم.[1]

(1)۔البخاری: کتاب الایمان

ایک صحابی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے بارے میں پوچھا کہ قیامت کب قائم ہوگی؟ اس پر آپ نے فرمایا: تم نے قیامت کے لیے کیا تیاری کی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کچھ بھی نہیں، سوا اس کے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ پھر تمھارا حشر بھی انہیں کے ساتھ ہوگا جن سے تمہیں محبت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہمیں کبھی اتنی خوشی کسی بات سے بھی نہیں ہوئی جتنی آپ کی یہ حدیث سن کر ہوئی کہ تمھارا حشر انہیں کے ساتھ ہوگا جن سے تمہیں محبت ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت رکھتا ہوں اور ان سے اپنی اس محبت کی وجہ سے امید رکھتا ہوں کہ میرا حشر انہیں کے ساتھ ہوگا، اگرچہ میں ان جیسے عمل نہ کر سکا۔

آپ کو قیامت میں اپنی امت کے ساتھ پیش آنے والے مصائب کا کس قدر خیال تھا، بخاری شریف کی اس حدیث پاک کو دیکھیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال " لكل نبي دعوة يدعو بها، وأريد أن أختبئ دعوتي شفاعة لأمتي في الآخرة.."[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کو ایک دعا حاصل ہوتی ہے (جو قبول کی جاتی ہے) اور میں چاہتا ہوں کہ میں اپنی دعا کو آخرت میں اپنی امت کی شفاعت کے لیے محفوظ رکھوں۔

مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم قیامت میں صرف اہل تقویٰ ہی کی شفاعت نہیں فرمائیں گے بلکہ گناہ گاروں کے گناہوں کو بخشوا کر داخل جنت فرمائیں گے، بعض جہنم میں جا چکے ہوں گے، انہیں بھی اپنی شفاعت کے ذریعہ جنت میں داخل فرمائیں گے۔ قیامت

(1)۔البخاري: كتاب الدعوات، باب لكل نبي دعوة ،مستجابة

کے دن کی نفسانفسی کی کیفیت اور مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ کی شانِ رحیمی کا تفصیلی بیان صحیح بخاری کی حدیث پاک کے حوالے سے ملاحظہ فرمائیں:

عن أنس، أن النبي صلى الله عليه وسلم قال " يجمع الله المؤمنين يوم القيامة كذلك فيقولون لو استشفعنا إلى ربنا حتى يريحنا من مكاننا هذا. فيأتون آدم فيقولون يا آدم أما ترى الناس خلقك الله بيده وأسجد لك ملائكته وعلمك أسماء كل شيء، شفع لنا إلى ربنا حتى يريحنا من مكاننا هذا. فيقول لست هناك.ويذكر لهم خطيئته التي أصاب.ولكن ائتوا نوحا، فإنه أول رسول بعثه الله إلى أهل الأرض. فيأتون نوحا فيقول لست هناكم . ويذكر خطيئته التي أصاب . ولكن ائتوا إبراهيم خليل الرحمن. فيأتون إبراهيم فيقول لست هناكم .ويذكر لهم خطاياه التي أصابها .ولكن ائتوا موسى عبدا أتاه الله التوراة وكلمه تكليما.فيأتون موسى فيقول لست هناكم . ويذكر لهم خطيئته التي أصاب.ولكن ائتوا عيسى عبد الله ورسوله وكلمته وروحه. فيأتون عيسى فيقول لست هناكم ولكن ائتوا محمدا صلى الله عليه وسلم عبدا غفر له ما تقدم من ذنبه وما تأخر. فيأتوني فأنطلق فأستأذن على ربي فيؤذن لي عليه، فإذا رأيت ربي وقعت له ساجدا فيدعني ما شاء الله أن يدعني ثم يقال لي ارفع محمد، وقل يسمع، وسل تعطه، واشفع تشفع. فأحمد ربي بمحامد علمنيها، ثم أشفع فيحد لي حدا فأدخلهم الجنة، ثم أرجع فإذا رأيت ربي وقعت ساجدا، فيدعني ما شاء الله أن يدعني ثم يقال ارفع محمد، وقل يسمع، وسل تعطه، واشفع تشفع، فأحمد ربي بمحامد علمنيها ربي ثم أشفع فيحد لي حدا فأدخلهم الجنة، ثم أرجع فإذا رأيت ربي وقعت ساجدا، فيدعني ما شاء الله أن يدعني ثم يقال ارفع محمد، قل يسمع، وسل تعطه، واشفع تشفع، فأحمد ربي بمحامد علمنيها، ثم أشفع فيحد لي حدا

فأدخلهم الجنة، ثم أرجع فأقول يا رب ما بقي في النار إلا من حبسه القرآن ووجب عليه الخلود ". قال النبي صلى الله عليه وسلم " يخرج من النار من قال لا إله إلا الله. وكان في قلبه من الخير ما يزن شعيرة، ثم يخرج من النار من قال لا إله إلا الله. وكان في قلبه من الخير ما يزن برة، ثم يخرج من النار من قال لا إله إلا الله. وكان في قلبه ما يزن من الخير ذرة.[1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اسی طرح جیسے ہم دنیا میں جمع ہوتے ہیں، مومنوں کو اکٹھا کرے گا (وہ گرمی وغیرہ سے پریشان ہوکر) کہیں گے کاش ہم کسی کی سفارش اپنے مالک کے پاس لے جاتے تاکہ ہمیں اپنی اس حالت میں آرام ملتا۔ چنانچہ سب مل کر آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے۔ ان سے کہیں گے آدم! آپ لوگوں کا حال نہیں دیکھتے کس بلا میں گرفتار ہیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے (خاص) اپنے دست قدرت سے بنایا اور فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا اور ہر چیز کے نام بتلائے (ہر لغت میں بولنا بات کرنا سکھلایا) کچھ سفارش کیجئے تاکہ ہم لوگوں کو اس جگہ سے نجات ہوکر آرام ملے۔ کہیں گے میں اس لائق نہیں، ان کو وہ لغزش یاد آجائے گی جو انہوں نے کی تھی (ممنوع درخت میں سے کھانا) مگر تم لوگ ایسا کرو نوح علیہ السلام پیغمبر کے پاس جاؤ وہ پہلے پیغمبر ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف بھیجا تھا۔ آخر وہ لوگ نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے، وہ بھی یہی جواب دیں گے، میں اس لائق نہیں اپنی خطا جو انہوں نے (دنیا میں) کی تھی یاد کریں گے۔ کہیں گے تم لوگ ایسا کرو ابراہیم پیغمبر کے پاس جاؤ جو اللہ کے خلیل ہیں (ان کے پاس جائیں گے) وہ بھی اپنی خطائیں یاد کرکے کہیں گے میں اس لائق نہیں تم موسیٰ علیہ السلام پیغمبر کے پاس جاؤ اللہ نے ان کو توراۃ عنایت فرمائی، ان سے بول کر باتیں کیں۔ یہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ بھی یہی کہیں گے میں اس

(1)۔البخاري: كتاب التفسير، سورة بنى اسرائيل . ومسلم: كتاب الايمان باب ادنى اهل الجنة منزلة فيها.

لائق نہیں اپنی خطا جوانہوں نے دنیا میں کی تھی یاد کریں گے مگر تم ایسا کرو عیسیٰ پیغمبر کے پاس جاؤ وہ اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کے خاص کلمہ اور خاص روح ہیں۔ یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں گے وہ کہیں گے میں اس لائق نہیں تم ایسا کرو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ وہ اللہ کے ایسے بندے ہیں جن کی اگلی پچھلی خطائیں سب بخش دی گئی ہیں۔ آخر یہ سب لوگ جمع ہو کر میرے پاس آئیں گے۔ میں چلوں گا اور اپنے پروردگار کی بارگاہ میں حاضر ہونے کی اجازت مانگوں گا، مجھ کو اجازت ملے گی۔ میں اپنے پروردگار کو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑوں گا اور جب تک اس کو منظور ہے وہ مجھ کو سجدے ہی میں پڑا رہنے دے گا۔ اس کے بعد حکم ہو گا ''محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر اٹھاؤ اور عرض کرو تمھاری عرض سنی جائے گی تمھاری درخواست منظور ہو گی، تمھاری سفارش مقبول ہو گی اس وقت میں اپنے مالک کی ایسی ایسی تعریفیں کروں گا جو وہ مجھ کو سکھا چکا ہے یا سکھلائے گا پھر لوگوں کی سفارش شروع کر دوں گا۔ سفارش کی ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ میں ان کو بہشت میں لے جاؤں گا، پھر لوٹ کر اپنے پروردگار کے پاس حاضر ہوں گا اور اس کو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑوں گا جب تک پروردگار چاہے گا مجھ کو سجدے میں پڑا رہنے دے گا۔ اس کے بعد ارشاد ہو گا ''محمد اپنا سر اٹھاؤ جو تم کہو گے سنا جائے گا اور سفارش کرو گے تو قبول ہو گی پھر میں اپنے پروردگار کی ایسی تعریفیں کروں گا جو اللہ نے مجھ کو سکھلایا ہے یا سکھلائے گا، اس کے بعد سفارش کرو ں گا لیکن سفارش کی ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ میں ان کو بہشت میں لے جاؤں گا پھر لوٹ کر اپنے پروردگار کے پاس حاضر ہوں گا اس کو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑوں گا جب تک پروردگار چاہے گا مجھ کو سجدے میں پڑا رہنے دے گا۔ اس کے بعد ارشاد ہو گا محمد اپنا سر اٹھاؤ جو تم کہو گے سنا جائے گا اور سفارش کرو گے تو قبول ہو گی پھر میں اپنے پروردگار کی ایسی تعریفیں کروں گا جو اللہ نے مجھ کو سکھلا یا ہے یا سکھلائے گا، اس کے بعد سفارش شروع کر دوں گا لیکن سفارش کی ایک حد مقرر کر دی جائے گی۔ میں ان کو بہشت میں لے جاؤں گا پھر لوٹ کر اپنے پروردگار کے پاس حاضر ہوں گا۔ عرض کروں گا یا پاک

پروردگار! اب تو دوزخ میں ایسے ہی لوگ رہ گئے ہیں جو قرآن کے بموجب دوزخ ہی میں ہمیشہ رہنے کے لائق ہیں (یعنی کافر اور مشرک) انس رضی اللہ عنہ نے کہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دوزخ سے وہ لوگ نکال لیے جائیں گے جنھوں نے (دنیا میں) لا الٰہ الا اللہ کہا ہو گا اور ان کے دل میں ایک جو برابر ایمان ہو گا پھر وہ لوگ بھی نکال لیے جائیں گے جنھوں نے لا الٰہ الا اللہ کہا ہو گا اور ان کے دل میں گیہوں برابر ایمان ہو گا۔ (گیہوں جو سے چھوٹا ہوتا ہے) پھر وہ بھی نکال لیے جائیں گے جنھوں نے لا الٰہ الا اللہ کہا ہو گا اور ان کے دل میں چیونٹی برابر یا بھنگے برابر ایمان ہو گا۔

باب پنجم

غیر مسلموں پر رحم وکرم

غیر مسلموں پر رحم وکرم

غیر مسلموں کے ساتھ زندگی کے مختلف شعبوں اور مختلف اوقات میں سرکار دوعالم ﷺ کے بے پناہ رحم وکرم کے جلووں سے قارئین کی نظروں کو خیرہ کرنے سے قبل انسانیت کے حوالے سے اسلام کے آفاقی نظریات کی ایک جھلک پیش کرکے اس بات کو واضح کردینا مناسب سمجھتا ہوں کہ اسلام تکریم انسانیت کا واضح اور دوٹوک نظریہ رکھتا ہے، انسان بحیثیت انسان لائق تعظیم اور قابل رحم وکرم ہے، خواہ اس کا تعلق کسی بھی مذہب سے ہو، رنگ ونسل کا یہاں کوئی امتیاز نہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا:

وَ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْۤ اٰدَمَ وَ حَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ وَ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَ فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا۠ (1)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے اولاد آدم کو عزت دی اور ان کو خشکی اور تری میں سوار کیا اور ان کو ستھری چیزیں روزی دیں اور ان کو سب مخلوق سے افضل کیا۔

تکریم بنی آدم کا یہ فرمان ہر فرد بشر کو شامل ہے، اس فرمان الٰہی کے مطابق پوری روئے زمین کا ہر فرد انسانی عظمت ورفعت کا مستحق قرار پایا، لہذا بحیثیت انسان کسی کی اہانت جائز نہیں، کسی پر ظلم وتعدی روا نہیں، کسی کے حقوق کی پامالی جائز نہیں، اس اسلامی نظریہ کا واضح بیان درج ذیل آیت پاک میں موجود ہے:

وَ لَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّؕ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ (2)

ترجمہ: اور جس جان کی اللہ نے حرمت رکھی اسے ناحق نہ مارو یہ تمہیں حکم فرمایا ہے کہ تمہیں عقل ہو۔

---

(1)۔الاسراء:۷۰

(2)۔المائدۃ:۱۵۱

قرآن پاک میں دوسرے مقام پر فرمایا گیا:

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا ط[1]

ترجمہ:اور ہم عدل کی ترازو میں رکھیں گے قیامت کے دن تو کسی جان پر کچھ ظلم نہ ہوگا۔

یہاں عدم ظلم کا حکم مطلق ہے، کسی پر ادنیٰ ظلم نہیں ہوگا خواہ وہ مسلم ہو، نصرانی ہو، یہودی ہو، مجوسی ہو، ہندو ہو یا دنیا میں پائے جانے والے مذاہب میں سے کسی دوسرے مذہب کا پیرو کار ہو۔

سیرت رسول کا مطالعہ بھی ہمیں یہ باور کراتا ہے کہ انسان بحیثیت انسان قابل تعظیم ہے خواہ وہ جس مذہب سے تعلق رکھے، صحیح مسلم شریف کی اس روایت کو ذرا غور سے مطالعہ فرمائیں اور سیرت نبوی کے اس پہلو کو بھی نہاں خانہ دل میں بسالیں:

عن ابی لیلیٰ ان قیس بن سعد وسھل بن حنیف کانا بالقادسیۃ، فمرت بھما جنازۃ..... فقیل لھما: انھا من اھل الارض فقالا: ان رسول اللہ صلی اللہ وسلم مرت بہ جنازۃ فقام، فقیل: انہ یہودی، فقال: الیست نفسا۔[2]

ترجمہ:قیس بن سعد اور سہیل بن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہما قادسیہ میں تھے تو ان کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو وہ دونوں کھڑے ہو گئے ان سے کہا گیا کہ یہ تو کافر کا جنازہ ہے تو انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس سے ایک جنازہ گزرا تو آپ کھڑے ہو گئے، ان سے کہا گیا کہ یہ یہودی تھا، تو آپ نے فرمایا کیا یہ جان دار نہیں تھا۔

یہاں مصطفیٰ جان رحمت ﷺ نے سارے شکوک وشبہات دور کر دیے، اس لیے کہ جب سرکار اقدس ﷺ یہودی کے جنازے کو دیکھ کر کھڑے ہوئے تو حاضرین کو گمان ہوا کہ شاید آپ کو اس کے عقیدے کا علم نہیں، اس لیے آپ کو اطلاع دی گئی کہ یہ جنازہ

(1)۔الانبیاء ٤٧

(2)۔مسلم: کتاب الجنائز، باب القیام للجنائز،

یہودی کا ہے، اس کے باوجود سرکار نے فرمایا، کیا وہ جان والا نہیں تھا۔ ذرا غور کریں کہ یہ یہودی سرکار اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کا معاصر تھا، اس تک سرکار کا پیغام بھی پہنچا ہوگا، اسلام کی دعوت بھی پہنچی ہوگی، آپ کے دعویٰ رسالت و نبوت کا بھی علم ہوا ہوگا، پھر بھی وہ دین یہودیت پر قائم رہا، اس کے باوجود جب اس کا جنازہ گزرا تو سرکار دو عالم صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کھڑے ہو گئے اور انسانیت کی عظمت کا لحاظ فرما کر اس کا احترام کیا، در حقیقت یہاں اس کے عقیدے اور دین سے قطع نظر نفس بشریت کا احترام کیا گیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر انعامات و احسانات کی جو بارشیں کی ان میں کسی مذہب اور دین کی تخصیص نہیں ہے، رزق کے دروازے جس طرح فرزندان توحید کے لیے کھلے ہیں اس طرح اللہ کی ربوبیت کے منکرین کے لیے بھی کشادہ ہیں، بحر و بر کی وسعتوں میں جس طرح مسلمان اللہ کی عطا کردہ نعمتوں سے مستفید ہو رہے ہیں اسی طرح کفر و شرک کے دل دل میں پھنسے لوگ بھی ان سے محظوظ ہوتے ہیں، زمین کی وسعتوں، آسمان کی بلندیوں، دریاؤں کی طغیانیوں کو جس طرح مومنین کے لیے مسخر کر دیا گیا ہے اسی طرح کفار بھی ان پر مکمل تسلط رکھتے ہیں، فرمان الٰہی ہے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ يُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (1)

ترجمہ: کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے بس میں کر دیا جو کچھ زمین میں ہے اور کشتی کہ دریا میں اسی کے حکم سے چلتی ہے اور وہ روکے ہوئے ہے آسمان کو کہ زمین پر نہ گر پڑے مگر اس کے حکم سے، بے شک اللہ آدمیوں پر بڑی مہر والا مہربان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے عفو و درگزر کو ایک وصف حسن قرار دیا اور معاف کرنے والوں کو اپنا محبوب گردانا، لیکن اس معافی کو بھی مسلمانوں ہی کے ساتھ خاص نہیں فرمایا بلکہ عام انسانوں کو معاف کرنے والا اللہ کے نزدیک محبوب ہے، خواہ معاف کرنے والا مسلمان کو

(1)۔الحج: ٦٥

معاف کرے یا غیر مسلم کو۔ ارشاد فرمایا گیا:

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۚ﴿۱۳۴﴾ (1)

ترجمہ: اور جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں خوشی میں، رنج میں اور غصہ پینے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے اور نیک لوگ اللہ کے محبوب ہیں۔

اسلام کی انسانیت نواز تعلیمات کا عملی نمونہ سرکار اقدس ﷺ کی حیات مبارکہ ہے، اسلام نے جس طرح انسانوں کے احترام کا حکم دیا اور اس کی عظمتوں کا اعلان کیا نبی رحمت ﷺ نے اپنے اسوہ حسنہ کے ذریعہ ان پر عمل کرکے دکھایا اور اپنی امت کو یہ درس دیا کہ انسانیت کا احترام ہی اسلام کا اصول ہے۔ آج اگر عالمی بحران کو ختم کرنے اور امن عالم کے فروغ کے لیے اس اصول پر عمل درآمد کرلیا جائے تو انشاء اللہ احترام انسانیت کے بطن سے امن وشانتی کے پودے جنم لیں گے اور پھر یہ پودے ایک تناور درخت کی شکل میں اپنے پھولوں کی عطر بیزیوں سے پورے عالم انسانیت کو مہکائیں گے۔

☆☆☆

(1)۔آل عمران. ۱۳۳. ۱۳٤

اسلامی سماج میں غیر مسلموں پر رحم وکرم

مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کی سیرت طیبہ میں اگر مسلمانوں کے مختلف طبقات کے ساتھ رحیمانہ، کریمانہ اور مشفقانہ برتاؤ نظر آتا ہے تو ہو سکتا ہے کہ یہ کہ کر اس سے صرف نظر کر لیا جائے کہ مسلمان ان کے دین کے ماننے والے تھے، انہوں نے آپ کی رسالت کی گواہی دی، آپ کی نبوت کا اقرار کیا، آپ کے لیے اپنے اہل وعیال کو چھوڑا، دنیا کی آشائشوں کو تج دیا اور ہر طرح سے آپ کے لیے قربانیاں پیش کیں، ان قربانیوں کے بدلے میں اگر شفقت ورحمت کا طرز عمل ان کے ساتھ اختیار کیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ یہ کسی کے لیے حیرت کی بات نہ ہو، لیکن سیرت نبوی کے مطالعہ کرنے والوں کی عقلیں اس وقت ضرور حیران ہو جائیں گی جب وہ مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کو اپنے چاہنے والوں ہی کی طرح اپنے دشمنوں پر بھی رحم وکرم کا فیضان تقسیم فرماتے اور دین کے دشمنوں کی ساری خطائیں یک لخت معاف کرتے نظر آئیں گی۔ ذرا ٹھہریں اور دیکھیں سیرت نبوی کا یہ باب بھی کس قدر منور اور تاباں ہے۔

یہ خادم رسول حضرت انس بن مالک ہیں جو سیرت نبوی کی عظمتوں کے چشم دید گواہ ہیں، کہتے ہیں۔

كان غلام يهودي يخدم النبي صلى الله عليه وسلم فمرض، فأتاه النبي صلى الله عليه وسلم يعوده، فقعد عند رأسه فقال له " أسلم ". فنظر إلى أبيه وهو عنده فقال له أطع أبا القاسم صلى الله عليه وسلم. فأسلم، فخرج النبي صلى الله عليه وسلم وهو يقول " الحمد لله الذي أنقذه من النار ".[1]

ایک یہودی لڑکا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا، ایک دن وہ بیمار ہو گیا۔ آپ اس کی عیادت کے لیے تشریف لائے اور اس کے سرہانے بیٹھ گئے اور فرمایا کہ

(1)۔البخاری: کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی فمات هل يصلیٰ علیه

مسلمان ہو جا۔ اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، باپ وہیں موجود تھا۔ اس نے کہا کہ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کہتے ہیں مان لے۔ چنانچہ وہ بچہ اسلام لے آیا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو آپ نے فرمایا کہ شکر ہے اللہ پاک کا جس نے اس بچے کو جہنم سے بچا لیا۔

اس حدیث پاک میں چند باتیں قابل غور ہیں، ایک تو یہ سرکار کی خدمت کے لیے مسلم خدمت گاروں کی کوئی کمی نہیں تھی، اس کے باوجود آپ نے اس یہودی بچے کو خدمت کا شرف عطا کیا، دین کا اختلاف یہاں حائل نہیں ہو سکا، اس بچے کو مرض لاحق ہوا تو آپ اس کی عیادت کے لیے پہنچے، دنیا کی سب سے عظیم شخصیت ایک معمولی خادم کی عیادت کے لیے جائے یہ رحم وکرم کی معراج نہیں تو اور کیا ہے، کیا آج اس کی کوئی نظیر پیش کر سکتا ہے کہ کوئی حاکم شہر اپنے ایک معمولی نوکر کی عیادت کے لیے خود چل کر اس کے پاس جائے، خاص طور سے اس وقت جب وہ دوسرے مذہب سے تعلق رکھتا ہو۔ سرکار اقدس ﷺ نے اپنے اس خادم پر اسلام پیش فرمایا تاکہ وہ جہنم کی آگ سے محفوظ ہو جائے، اس خادم نے اسلام قبول کر لیا تو آپ شاداں و فرحاں وہاں سے واپس ہوئے، بالکل ایسے جیسے آپ کے اہل خانہ میں سے کسی محبوب ترین شخص نے اسلام قبول کیا ہو۔ کیا اس پورے واقعے کا ایک ایک گوشہ آپ کی بے پایاں شفقت ورحمت کا منھ بولتا ثبوت نہیں ہے؟

حضرت اسما بنت ابوبکر بیان فرماتی ہیں:

قدمت علی امی وھی مشرکۃ فی عھد قریش، اذا عاھدوا رسول اللہ ﷺ ومدتھم مع ابیھا، فاستفت رسول اللہ ﷺ فقالت یارسول اللہ ﷺ فقالت: یارسول اللہ: ان امی قدمت علی وھی راغبۃ افاصلھا، قال: نعم صلیھا۔ [1]

ترجمہ: میری والدہ جو مشرکہ تھیں قریش سے معاہدہ کے زمانے میں اپنے باپ کے ساتھ میرے پاس آئیں، تو میں نے رسول کریم ﷺ سے ان کے بارے میں سوال کیا کہ یارسول اللہ

(1)۔البخاری : ابواب الجزیہ والموادعۃ، باب اثم من عاھد ثم غدر

میری ماں میرے پاس آئی ہیں وہ رغبت رکھتی ہیں توکیامیں ان کے ساتھ صلہ رحمی کا برتاؤکروں، تو آپ نے ارشادفرمایا: ہاں، ان کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔

سرکار دوعالم ﷺ نے حضرت اسماء بنت ابوبکر کو اس بات کی اجازت عطافرمائی کہ ان کی مشرکہ ماں جوان کے پاس آئی ہیں وہ ان کے ساتھ صلہ رحمی اور خوش اخلاقی کا برتاؤکریں، حدیث کے الفاظ بتارہے ہیں کہ یہ قریش سے معاہدے کا زمانہ تھا، ایسے وقت میں ایک مشرکہ کوایک مسلمان کے گھرمیں قیام کی اجازت ایک خطرناک بات تھی، خاص طور سے اس لیے کہ حضرت اسما کا گھر حضرت زبیربن عوام کا گھر تھا جوایک جلیل القدر صحابی تھے اور دولت اسلامیہ کے کبار رجال میں ان کا شمار ہوتا تھا، ان کے پاس سلطنت اسلامیہ کے بہت سے راز ایسے تھے جن کا ظاہر ہوجانا پریشانیوں کا باعث ہوسکتا تھا، لیکن نبی رحمت ﷺ نے حضرت اسما کواپنی مشرکہ ماں سے ملنے اور ان کے ساتھ اچھے برتاؤ سے منع نہیں فرمایا، یقیناًیہ رحم وکرم کی اعلیٰ مثال ہے۔

بخاری شریف کی حدیث پاک ہے:

عن عبد الله بن عمر، أن عمر بن الخطاب، رأى حلة سيراء عند باب المسجد فقال يا رسول الله، لو اشتريت هذه فلبستها يوم الجمعة وللوفد إذا قدموا عليك. فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم " إنما يلبس هذه من لا خلاق له في الآخرة ". ثم جاءت رسول الله صلى الله عليه وسلم منها حلل، فأعطى عمر بن الخطاب. رضى الله عنه. منها حلة فقال عمر يا رسول الله، كسوتنيها وقد قلت في حلة عطارد ما قلت قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " إني لم أكسكها لتلبسها ". فكساها عمر بن الخطاب. رضى الله عنه. أخا له بمكة مشركا.[1]

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن

(1)۔البخاری: کتاب الجمعة، باب ما یلبس احسن ما یجد

خطاب رضی اللہ عنہ نے (ریشم کا) دھاری دار جوڑا مسجد نبوی کے دروازے پر بکتا دیکھا تو کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ! بہتر ہو اگر آپ اسے خرید لیں اور جمعہ کے دن اور جب وفود آپ کے پاس آئیں تو ان کی ملاقات کے لیے آپ اسے پہنا کریں۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے تو وہی پہن سکتا ہے جس کا آخرت میں کوئی حصہ نہ ہو۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اسی طرح کے کچھ جوڑے آئے تو اس میں سے ایک جوڑا آپ نے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ! آپ مجھے یہ جوڑا پہنا رہے ہیں حالانکہ اس سے پہلے عطارد کے جوڑے کے بارے میں آپ نے کچھ ایسا فرمایا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اسے تمہیں خود پہننے کے لیے نہیں دیا ہے، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے اپنے ایک مشرک بھائی کو پہنا دیا جو مکے میں رہتا تھا۔ [1]

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ ریشمی جوڑا ایک مشرک کو ہدیہ کیا اور سرکار دوعالم ﷺ نے منع نہیں فرمایا، کیوں کہ آپ مشرکین کو بھی قابل رحم وکرم سمجھتے تھے۔

غیر مسلموں پر مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کے رحم وکرم کا ایک مظاہرہ یہ بھی تھا کہ آپ انہیں کفر وشرک کے وبال سے ڈرایا کرتے تھے اور انہیں اسلام کی دعوت پیش کر کے جنت کی بشارت سنایا کرتے تھے، کفار ومشرکین آپ کو ایذائیں پہنچایا کرتے تھے، گالی گلوج کرتے، راستے میں گندگیاں ڈال دیتے، لیکن آپ ان کی ان زیادتیوں کا کوئی جواب نہیں دیتے بلکہ ان کی ہدایت کی کوشش فرماتے، اپنے صحابہ کو ان سے عدل وانصاف کا حکم دیا کرتے تھے، انھیں مظلوموں کی آہ وفغاں سے بچنے کی تاکید فرماتے، آپ نے ارشاد فرمایا:

---

(1)۔ دراصل ریشم کے کپڑے مردوں کے لیے حرام ہیں، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو دنیا میں ریشم پہنے گا اس کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے، یہ حدیث پاک صحیح مسلم اور صحیح بخاری دونوں میں موجود ہے، اور فقہ کی متعدّد کتابوں میں اس مسئلے کی صراحت مذکور ہے۔ ساجد رضا مصباحی

اتقوا دعوۃ المظلوم وان کان کافرا، فانہ لیس دونہا حجاب[1]

ترجمہ: مظلوم کی بددعا سے بچو اگر چہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہوں، کیوں کہ مظلوم کی دعا کے لیے کوئی حجاب نہیں ہوتا (یعنی فوراباب اجابت سے ٹکراتی ہے)

مسند احمد کی دوسری روایت میں ہے:

دعوۃ المظلوم مستجابۃ وان کان فاجرا، ففجورہ علیٰ نفسہ[2]

ترجمہ: مظلوم کی دعا قبول ہوا کرتی ہے اگر چہ وہ فاجر ہو، اس کا فسق اس کی گردن پر ہے۔

بلکہ یہاں تک ارشاد فرمایا:

الا من ظلم معاھدا، او انتقصہ او کلفہ فوق طاقتہ او اخذ منہ شیئا بغیر طیب نفس، فانا حجیجہ یوم القیامۃ۔[3]

ترجمہ: خبر دار جس نے معاہد پر ظلم کیا یا نقصان پہنچایا یا اس کی طاقت سے زیادہ کا اسے مکلف بنایا، یا اس کی رضا کے بغیر اس کی کوئی چیز لے لی تو قیامت کے دن میں اس کی طرف سے حجت کروں گا۔

ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مظلوم چاہے جس مذہب کا پیرو کار ہو قابل رحم وکرم ہے، سچا مسلمان وہی ہے جو دوسروں پر ظلم وستم سے باز رہے ورنہ وہ قیامت کے دن اللہ کے حضور جواب دہ ہوگا، نبی کریم ﷺ اس کے مقابل مظلوم کی حمایت میں کھڑے ہوں گے، اگر چہ مظلوم کافر اور ظالم مسلم ہو۔ سرکار اقدس ﷺ کے یہ فرامین صرف نظریات کی حیثیت نہیں رکھتے، بلکہ آپ نے ان پر مکمل طور پر عمل کیا، اسلامی حکومت میں پناہ گزیں غیر مسلموں کے ساتھ جو معاہدے ہوئے اور ان کے جان ومال اور عزت وآبرو کے تحفظ کا جو وعدہ کیا گیا اسے ہر حال میں پورا فرمایا، ان کے حقوق کی حفاظت کی

(1)۔مسند احمد، عن انس بن مالک

(2)۔مسند احمد، عن ابی ہریرۃ

(3)۔سنن الکبریٰ للبیہقی

گئی، کسی بھی حال میں کسی مسلمان کو ان پر زیادتی کی اجازت نہیں دی گئی۔

عن عبد الله رضی الله عنه. قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم "من حلف علی یمین وهو فیها فاجر لیقتطع بها مال امرء مسلم لقی الله وهو علیه غضبان". قال :فقال الأشعث: فی والله کان ذلك، کان بینی وبین رجل من الیهود أرض فجحدنی، فقدمته إلی النبی صلی الله علیه وسلم، فقال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم : (ألك بینة). قلت: لا، قال: فقال للیهودی: (احلف.(قال: قلت: یا رسول الله، إذا یحلف ویذهب بمالی، فأنزل الله تعالی: {إن الذین یشترون بعهد الله وأیمانهم ثمنا قلیلا} إلی آخر الآیة. [1]

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس نے کوئی جھوٹی قسم جان بوجھ کر کھائی تاکہ کسی مسلمان کا مال ناجائز طور پر حاصل کرلے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اس حالت میں حاضر ہوگا کہ اللہ پاک اس پر نہایت ہی غضبناک ہوگا۔ راوی نے بیان کیا کہ اس پر اشعث رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ کی قسم! مجھ سے ہی متعلق ایک مسئلے میں رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔ میرے اور ایک یہودی کے درمیان ایک زمین کا جھگڑا تھا۔ اس نے انکار کیا تو میں نے مقدمہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے دریافت فرمایا، کیا تمھارے پاس کوئی گواہ ہے؟ میں نے کہا کہ نہیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی سے فرمایا کہ پھر تو قسم کھا۔ اشعث رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا، یا رسول اللہ! پھر تو یہ جھوٹی قسم کھالے گا اور میرا مال اڑالے جائے گا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، بیشک وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں سے تھوڑی پونجی خریدتے ہیں۔ آخر آیت تک۔

درج بالا واقعے میں جو مقدمہ سرکار دوعالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کی خدمت میں پیش ہوا تھا، اس

(1)۔البخاری : کتاب الخصومات، باب کلام الخصوم بعضهم فی بعض

میں ایک فریق یہودی تھا دوسرا مسلم، سرکار دوعالم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فیصلہ فرمانے میں مسلم کے ساتھ کوئی رعایت فرمائی نہ ہی یہودی کی باتوں سے صرف نظر فرمایا۔عدل وانصاف کا یہ معیار آپ کی سیرت طیبہ کا امتیازی وصف ہے جو دنیا کی دوسری شخصیت کی سیرت میں نظر نہیں آتی۔

☆☆☆
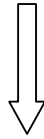
ایذا پہنچانے والے غیر مسلموں پر رحم وکرم

غیر مسلموں میں ایک طبقہ وہ ہے جو مسلمانوں سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں رکھتا، دوسرا طبقہ وہ ہے جو مسلسل مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مصروف رہتا ہے، ہر ممکن طریقے سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے، اسلام کی تبلیغ واشاعت کے راستوں کو مسدود کر کے مسلمانوں کو بے چارگی کی حالت میں دیکھنا ان کی زندگی کا اہم مقصد ہے۔ سرکار دوعالم ﷺ کے عہد مبارک میں بھی غیر مسلموں کا ایک طبقہ وہ تھا جو آپ کو ہر ممکن طریقہ سے ایذا پہنچانے کی کوشش کرتا تھا، آپ کے قتل کے منصوبے بناتا تھا، آپ کو ذہنی طور پر پریشان کر کے اسلام کی تبلیغ واشاعت سے روکنے کی کوشش کیا کرتا تھا، غیر مسلموں کے اس طبقے کے ساتھ رحم وکرم کا برتاؤ بڑی حیرت انگیز بات ہے، سرکار دوعالم ﷺ کی سیرت طیبہ اس لحاظ سے بھی نادر المثال ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، رسول کریم ﷺ اپنے لشکر کے ساتھ ایک جہاد سے واپس ہو رہے تھے، دوپہر کے وقت آپ آرام فرمانے کے لیے ایک درخت کے سایے میں لیٹ گئے اور آنکھ لگ گئی، پھر کیا ہوا حدیث پاک کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

جاء رجل منهم يقال له: غورث بن الحارث حتىٰ قام علىٰ راس رسول الله ﷺ بالسيف، فقال: من يمنعك مني ؟ قال: الله عزوجل، فسقط السيف من يده، فاخذه رسول الله ﷺ فقال: من يمنعك مني ؟ قال: كن كخير آخذ، قال: اشهد ان لا اله الا الله ؟ قال: لا، ولكن اعاهدك ان لا اقاتلك، ولا اكون مع قوم يقاتلونك، فخلىٰ سبيله، قال: فذهب الىٰ اصحابه، قال: قد جئتكم من عند خير الناس[1]

ترجمہ: کافروں میں سے ایک شخص جس کا نام غورث بن حارث تھا، رسول اللہ ﷺ کے سرہانے کھڑے ہو کر تلوار تان لیا اور کہنے لگا، مجھ سے آپ کو کون بچائے گا، آپ نے ارشاد

(1)۔البخاری: کتاب المغازی، باب غزوۃ ذات الرقاع

فرمایا: اللہ عزوجل، بس اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی، سرکار اقدس ﷺ نے تلوار اٹھالی اور ارشاد فرمایا: اب بتا تجھے میرے وار سے کون بچائے گا، اس نے کہا جو اپنے مخالف پر قابو پاکر اس سے اچھا سلوک کرتے ہیں آپ ان میں سے ہوجائیں، آپ نے فرمایا: گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے انکار کیا، لیکن کہا کہ میں آپ سے وعدہ کرتا ہوں کہ آپ سے جنگ نہیں کروں گا اور نہ ان لوگوں کا ساتھ دوں گا جو آپ کے ساتھ جنگ کرتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اسے معاف فرمادیا، راوی کہتے ہیں کہ وہ اپنے ساتھیوں کے پاس جاکر کہنے لگا کہ میں ان کے پاس سے آیا ہوں جو تمام لوگوں سے بہتر ہیں۔

یہ شخص سرکار اقدس ﷺ کے قتل کے ارادے سے آپ پر تلوار تان کر کھڑا ہوگیا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کی حفاظت فرمائی، تلوار اس کے ہاتھ سے گری، سرکار دوعالم ﷺ نے اٹھالیا، آپ اس وقت اس کافر کو قتل کرنے پر قادر تھے، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا، بلکہ اس پر اسلام پیش کیا، اس نے اسلام لانے سے انکار کردیا، ایسے عالم میں آپ کو مزید غضب ناک ہوکر اسے قتل کردینا چاہیے تھا، لیکن آپ نے کمال رحم وکرم کا مظاہرہ فرماتے ہوئے اسے معاف فرمادیا، آپ کے اس کریمانہ برتاؤ سے متاثر ہوکر اس نے آپ کو خیر الناس کے لقب سے یاد کیا۔

حضرت عروہ بن زبیر کی روایت ہے:

أن عائشة. رضی الله عنها. زوج النبی صلی الله علیه وسلم قالت دخل رهط من الیهود علی رسول الله صلی الله علیه وسلم فقالوا السام علیکم. قالت عائشة ففهمتها فقلت وعلیکم السام واللعنة. قالت فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم " مهلا یا عائشة. إن الله یحب الرفق فی الأمر کله ". فقلت یا رسول الله ولم تسمع ما قالوا قال رسول الله صلی الله علیه وسلم " قد قلت وعلیکم ".[1]

(1)۔البخاری: کتاب الادب، باب الرفق فی الامر کلمه

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ کچھ یہودی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا" السام علیک (تمہیں موت آئے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں اس کا مفہوم سمجھ گئی اور میں نے ان کا جواب دیا کہ وعلیکم السام واللعنۃ "(یعنی تمہیں موت آئے اور لعنت ہو) راوی کا بیان ہے کہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھہرو، اے عائشہ! اللہ تعالیٰ تمام معاملات میں نرمی اور ملائمت کو پسند کرتا ہے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ نے سنا نہیں انہوں نے کیا کہا تھا؟ مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اس کا جواب دے دیا تھا کہ وعلیکم (اور تمہیں بھی)۔

نبی کریم ﷺ مدینہ شریف کے قائد و حاکم تھے، آپ کے پاس آنے والے یہودی ایک معمولی حیثیت کے تھے، جنہوں نے اپنے خبث باطنی کا اظہار کرتے ہوئے آپ کو سلام کے بجائے سام کہہ کر آپ کی موت کی دعا کی تھی، جسے آپ نے سن بھی لیا تھا، آپ چاہتے تو فوراً ان یہودیوں کو گرفتار کر کے سخت سے سخت سزا کا حکم صادر فرماتے، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ ان کا جملہ انہی کی طرف لوٹاتے ہوئے وعلیکم کے ذریعہ جواب دیا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ فتح مکہ کے بعد ایک دن نبی کریم ﷺ اور آپ کے صحابہ صبح کی نماز ادا فرما رہے تھے، اسی درمیان تنعیم کی جانب سے اسّی کفار نے مسلمانوں پر حملہ کر دیا، لیکن اسلام کے جیالوں نے انہیں دبوچ لیا اور اپنا قیدی بنا لیا۔

جب ان احسان فراموش مشرکین کو بارگاہ رسالت مآب میں حاضر کیا گیا تو رحمت عالم ﷺ نے انہیں جھڑ کا تک نہیں اور نہ چند دن پہلے انہیں معاف کر کے ان پر کیے جانے والے عظیم احسان کو یاد دلایا بلکہ ایک بار پھر عفو و درگزر سے کام لیتے ہوئے ان سب کو معاف فرما دیا [1]

☆☆☆

(1)۔سبل الھدیٰ والرشاد ٧/٣٤

جنگی قیدیوں پر رحم وکرم

جنگوں میں فتح حاصل ہونے کے بعد مفتوح قوم کے گرفتار ہونے والے افراد کو قیدی بنائے جانے کا رواج عرب وعجم میں ظہور اسلام کے بہت قبل سے ہے، خصوصاً عرب معاشرے میں اس کا رواج عام ہو چکا تھا، ان قیدیوں کی خرید وفروخت کرنے کے ساتھ ان پر قسم قسم کے مظالم ڈھائے جاتے، ان کی طاقت سے زیادہ ان سے کام لیا جاتا، ان کے حقوق کی بازیابی کے لیے کسی نے جدوجہد نہیں کی، تاریخ میں محمد عربی ﷺ کی ذات وہ پہلی شخصیت ہے جس نے ان قیدیوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے عملی طور پر کوشش کی اور انہیں عزت کی زندگی گزارنے کا حق عطا کیا، آپ نے اپنے ماننے والوں کو ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا، ان کے کھانے پینے، رہنے سہنے اور اوڑھنے پہننے اور دیگر ضروریات زندگی کی فراہمی کے لیے اصول متعیّن کیے، خاص طور سے ان کی آزادی کی مختلف صورتیں پیدا کیں، متعدّد جرائم کے کفارے میں غلام آزاد کرنے کا حکم دیا، غلام آزاد کرنے کی فضیلتیں بیان فرمائیں۔

سرکار دوعالم ﷺ نے مختلف مواقع پر جنگی قیدیوں کے ساتھ رحم وکرم کا جو مظاہرہ فرمایا اس کی ہلکی سی جھلک ہم یہاں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

جنگ بدر:

اسلام کی پہلی جنگ کا نام جنگ بدر ہے جس میں مسلمانوں کو قلت تعداد کے باوجود فتح مبین حاصل ہوئی اور کفار ومشرکین خائب وخاسر ہوئے، اس جنگ میں ستر کفار قید کئے گئے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قیدیوں کے سلسلے میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مشورہ فرمایا، صحابہ کرام میں سے بعض نے انہیں قتل کرنے کا مشورہ دیا، بعض نے انہیں سخت سزا دینے کا مشورہ دیا، بعض نے فدیہ لے کر انہیں رہا کر دینے کا مشورہ دیا، مصطفیٰ جان رحمت ﷺ نے اپنے رحم وکرم کا مظاہرہ فرماتے ہوئے فدیہ لے کر رہا کر دیے جانے کے مشورے کو قبول فرمایا اور فدیہ کی وصولی میں بھی ان کے ساتھ بڑی نرمی

فرمائی، جو صاحب ثروت تھے ان سے ان کی حیثیت کے مطابق فدیہ وصول کیا جو نادار تھے انہیں معمولی فدیہ پر رہا فرمادیا، بعض وہ بھی تھے جو کچھ بھی دینے کے قابل نہیں تھے، لیکن انہیں لکھنے پڑھنے کا فن آتا تھا، ان کا فدیہ چند مسلمانوں کو پڑھانا اور لکھانا قرار دیا، امام احمد نے اپنی مسند میں حضرت ابن عباس کی روایت نقل فرمائی:

کان ناس من الاسری یوم بدر لم یکن لھم فداء، فجعل رسول اللہ ﷺ فداءھم ان یعلموا اولاد الانصار۔ (1)

ترجمہ: جنگ بدر کے دن قیدیوں میں کچھ ایسے تھے جن کے پاس فدیہ نہیں تھا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا فدیہ یہ قرار دیا کہ انصار کی اولاد کو تعلیم دیں (لکھنا پڑھنا سکھائیں)

فتح مکہ:

کفار مکہ جنہوں نے رسول کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم اور آپ کے صحابہ پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے یہاں تک کہ انہیں اپنے وطن عزیز سے ہجرت کرکے مدینہ طیبہ میں آباد ہونا پڑا۔ لیکن جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطا فرمایا اور نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ میں فاتحانہ شان وشوکت کے ساتھ داخل ہوئے تو آپ ان کفار ومشرکین سے ان کے ایک ایک حرکت کا بدلہ لینے پر قادر تھے، آپ چاہتے تو سارے مشرکین مکہ کو تہ تیغ کردیتے، لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ ان سے خطاب فرماتے ہوئے کہا:

یا معشر قریش ان اللہ قد اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وتعظمھا بالآباء، الناس من آدم وآدم من تراب۔

ترجمہ: اے اہل قریش! اللہ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور آبائی عظمت کو مٹادی، لوگ آدم کی اولاد اور آدم علیہ السلام مٹی سے بنے تھے۔

پھر اس آیت پاک کی تلاوت فرمائی:

یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ وَّ اُنْثٰی وَجَعَلْنٰکُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا

(1)۔مسند احمد عن ابن عباس (۲۲۱۶)

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ[1] ﴿۱۳﴾

ترجمہ: اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں شاخیں اور قبیلے کیا کہ آپس میں پہچان رکھو، بے شک اللہ کے یہاں تم میں زیادہ عزت والا وہ جو تم میں زیادہ پر ہیز گار ہے۔

پھر ارشاد فرمایا:

یامعشر قریش ماترون انی فاعل فیکم

ترجمہ: اے قریش کے لوگو! بتاؤ میں تمھارے ساتھ کیسا برتاؤ کرنے والا ہوں؟

قریش بول پڑے:

خیرا،اخ کریم وابن اخ کریم

ہمیں آپ سے خیر کی امید ہے، آپ کریم بھائی اور کریم بھائی کے بیٹے ہیں۔

آپ نے ارشاد فرمایا:

فاذھبوا انتم الطلقاء۔ جاؤ تم سب آزاد ہو۔[2]

بدترین دشمنوں کے ساتھ غلبہ وقدرت کے باوجود عفو ودرگزر اور رحم وکرم کی یہ مثال دنیا کی کسی تاریخ میں نہیں ملتی۔

جنگ حنین:

جنگ حنین میں مسلمانوں کو فتح مبین حاصل ہونے کے ساتھ وافر مقدار میں مال غنیمت بھی حاصل ہوا، ایک طویل مدت تک اس مال غنیمت کو تقسیم نہیں کیا گیا کہ شاید مفتوح قوم کو ہدایت نصیب ہو اور وہ اسلام کے دامن سے وابستہ ہو جائے تو انہیں ان کے مال اور اسباب لوٹا دیے جائیں، لیکن جب کوئی نہیں آیا تو سرکار اقدس ﷺ نے مال غنیمت تقسیم فرمادیا، تقسیم کے عمل سے فراغت کے بعد قبیلہ ہوازن کا ایک وفد اپنے اسلام کا اعلان کرتے

(1)۔الحجرات: ۱۳

(2)۔السیرة النبویہ الابن ھشام ۲/۴۱۱

ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے اپنے قیدی اور مال طلب کیے تو سرکار دو عالم ﷺ نے ان سے فرمایا:

نساؤ کم وابناؤ کم احب الیکم ام اموالکم

ترجمہ: تمہیں تمھاری عورتیں اور بیٹے زیادہ محبوب ہیں یا مال؟

انہوں نے عرض کیا:

یارسول اللہ ﷺ: خیرتنا بین احسابنا واموالنا، بل ابناؤنا ونساؤنا احب الینا۔

ترجمہ: یارسول اللہ! آپ نے ہمیں اپنی اولاد اور اموال میں اختیار دیا۔ ہمیں ہماری اولاد اور عورتیں زیادہ محبوب ہیں۔

مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اما ماکان لی ولبنی عبد المطلب فھو لکم واذا صلیت بالناس فقوموا فقولوا: انا نستشفع برسول اللہ ﷺ الی المسلمین، وبالمسلمین الیٰ رسول اللہ فی ابنائنا ونسائنا۔ (1)

ترجمہ: جو میرے پاس اور بنی عبد المطلب کے پاس ہے وہ تمھارا ہے، جب میں لوگوں کو نماز پڑھا چکوں تو کھڑے ہو جاؤ اور کہو کہ ہم اپنی اولاد اور عورتوں کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کو مسلمانوں کے لیے اور مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کے حضور شفارسی بناتے ہیں۔

سرکار اقدس ﷺ کے حکم کے مطابق اس وفد نے عمل کیا، سارے صحابہ اپنے حقوق واپس کرنے کے لیے تیار ہو گئے۔ نبی کریم ﷺ نے حنین کے جنگی قیدیوں کی واپسی میں پہل فرما کر ان پر جو احسان فرمایا وہ ناقابل فراموش ہے، یہ خالص احسان ہے، کیوں کہ آپ نے تقسیم مال غنیمت سے پہلے ایک مدت تک ان کا انتظار فرمایا جب وہ نہیں آئے تو آپ نے مجاہدین کے درمیان غنیمت تقسیم فرمائی، آپ نے قیدیوں کی واپسی میں سبقت فرما کر صحابہ

(1)۔تاریخ الامم والملوک للطبری، ۱۷۳/۲۔السیرۃ النبویۃ لابن کثیر ۶۶۷/۳

کرام کو حکمت عملی کے ساتھ رغبت بھی دلائی کہ اہل حنین کے قیدیوں کو واپس کر دیا جائے۔

جنگی قیدیوں کے ساتھ حسن سلوک کے چند نمونے:

آج جنگی قیدیوں کے ساتھ جو برتاؤ کیا جارہا ہے وہ نہایت قابل افسوس ہے، گوانتا ناموبے میں قید مسلمانوں کے ساتھ وحشیانہ سلوک کی جو خبریں میڈیا کے توسط سے ہم تک پہنچی ہیں وہ دل دہلا دینے والی ہیں، انسانوں کے ساتھ جانوروں سے بدتر سلوک کرنے والے یہ وہی لوگ ہیں جو حقوق انسانی کے تحفظ کی راگ آلاپتے نہیں تھکتے، اور اسلام پر شدت پسندی کا الزام لگاتے ہیں ذرا سیرت نبوی کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ مصطفیٰ جان رحمت ﷺ نے جنگی قیدیوں کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ فرمایا اور ان پر کس طرح رحم وکرم کی بارشیں کیں۔

قیدیوں کا کھانا۔

یتیموں، مسکینوں اور قیدیوں کو کھانا کھلانے کو قرآن مجید میں ایک مستحسن عمل قرار دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا۝ (1)

ترجمہ: اور کھانا کھلاتے ہیں اس کی محبت پر یتیم مسکین اور اسیر کو۔

یہ اسلامی نظریہ ہے اسی اسلامی نظریہ پر عمل کرتے ہوئے سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے صحابہ کو قیدیوں کو کھانا کھلانے کا حکم فرمایا، صحابہ نے آپ کے حکم پر کس طرح عمل کیا اس کا اندازہ ذیل کے واقعے سے لگائیں:

بدر کے قیدیوں کے ساتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اس قدر حسن سلوک کا مظاہرہ فرمایا گویا وہ کوئی مجرم نہیں بلکہ ان کے مہمان ہوں، ان قیدیوں میں حضرت عاص بن ربیع بھی تھے، وہ کہتے ہیں:

كنت مع رهط من الانصار، جزاهم الله خيرا لجزاء، كنا اذا تعشينا او تغذينا آثروني بالخبزة واكلوا التمر، والخبز معهم قليل والتمر زادهم، حتى ان الرجل

(1)۔الانسان: ۸

لتقع فی الکسرۃ فیدفعھا الیّ وکان الولید بن مغیرۃ یقول : مثل ذلك ویزید:بل وکانو یحملوننا ویمشون۔ (1)

ترجمہ: میں انصار کی ایک جماعت کے ساتھ تھا(اللہ ان کو بہتر جزا عطا فرمائے)توجب ہم لوگ کھانا کھاتے تو مجھے روٹی پیش کرتے اور خود کھجور کھاتے جب کہ روٹی ان کے پاس کم تھی اور کھجور ہی ان کا کھانا تھا، یہاں تک کہ اگر روٹی کا ٹکڑا ان میں سے کسی آدمی کے ہاتھ میں آجاتا تو مجھے دے دیتے، ولید بن مغیرہ نے بھی ایساہی بیان کیا، بلکہ وہ اتنا اور اضافہ کرتا ہے کہ وہ ہم کو سوار کردیتے اور خود پیدل چلتے۔

قیدیوں کو کپڑا پہنانا:

جنگی قیدیوں کے ساتھ صرف کھانے ہی کے معاملے میں احسان نہیں کیا گیا بلکہ ان کی ضرورت کے مطابق ان کے کپڑے کا بھی انتظام فرمایا، صحیح بخاری شریف کی حدیث پاک ہے:

لما کان یوم بدر أتی بأساری، وأتی بالعباس ولم یکن علیه ثوب، فنظر النبی صلی الله علیه وسلم له قمیصا فوجدوا قمیص عبد الله بن أبی یقدر علیه، فکساه النبی صلی الله علیه وسلم إیاه، فلذلك نزع النبی صلی الله علیه وسلم قمیصه الذی ألبسه. (2)

بدر کی لڑائی سے قیدی (مشرکین مکہ) لائے گئے۔ جن میں حضرت عباس (رضی اللہ عنہ) بھی تھے۔ ان کے بدن پر کوئی کپڑا نہیں تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے قمیص تلاش کروائی۔ (وہ لمبے قد کے تھے) اس لئے عبداللہ بن ابی (منافق) کی قمیص ہی ان کے بدن پر آسکی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں وہ قمیص پہنا دی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (عبداللہ بن ابی کی موت کے بعد) اپنی قمیص اتار کر اسے پہنائی تھی۔

---

(1)۔ تاریخ دمشق:۸/۳۷۷

(2)۔البخاری : کتاب الجهاد والسیر، باب کسوۃ الاسریٰ

دلائل النبوۃ میں امام بیہقی نے تحریر فرمایا کہ ہوازن کے قیدیوں کو سرکار نے کپڑا پہنانے کا حکم دیا، ایک شخص کو مکہ شریف کپڑا خریدنے کے لیے بھیجا گیا، وہ عمدہ قسم کا کپڑا خرید کر لایا اور قیدیوں کو پہنایا گیا، حالاں کہ ان کے قبیلے کے آزاد لوگ ننگے نکلا کرتے تھے۔ (1)

قیدیوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ:

سرکار دوعالم ﷺ قیدیوں کے ساتھ نہایت نرمی کا معاملہ فرماتے، ان کی ضرورتوں کی تکمیل کا خیال فرماتے، ان کی باتوں کو غور سے سنتے، آپ نے ابو ہیثم بن تیہان کو ایک قیدی عطا فرمایا اور اس کے ساتھ احسان کرنے کی تاکید فرمائی، ابو ہیثم جب انہیں لے کر اپنے گھر پہنچے تو ان سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمھارے ساتھ احسان فرمانے کا حکم دیا ہے، لہذا میں تمہیں رضائے الٰہی کی خاطر آزاد کرتا ہوں، اور میرے مال میں تمھارا حصہ بھی ہے۔ (2)

حضرت ابو اسید انصاری بحرین کے دو قیدیوں کو لے کر سرکار دوعالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، انہیں لائن میں کھڑا کیا گیا، رسول کریم ﷺ ان کی طرف دیکھا تو ایک عورت کو روتے ہوئے پایا، آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں کس چیز نے رلایا، وہ کہنے لگی کہ میرے بچے کو بنی عبس میں بیچ دیا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے ابو اسید انصاری سے فرمایا، سوار ہو کر جاؤ اور اس بچے کو لے کر آؤ، سرکار اقدس ﷺ کے حکم کے مطابق حضرت ابو اسید گئے اور اس عورت کے بچے کو لا کر اسے دیا۔

یہ سرکار دوعالم ﷺ کا انتہائی درجہ رحم وکرم ہے کہ آپ نے ایک روتی ہوئی عورت کی تڑپ کو دیکھ کر ضبط نہ فرما سکے اور ایک صحابی کو بھیج کر دور دراز مقام سے اس کے بچے کو واپس لا کر دیا تاکہ اسے سکون ملے، قیدیوں کے ساتھ رحم وکرم کا ایسا برتاؤ مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کے سوا کون کر سکتا ہے؟۔

وصدق اللہ العظیم حین قال: وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

---

(1)۔دلائل النبوۃ للبیہقی ٥/ ٢٦٤

(2)۔شعب الایمان للبیہقی: ٤٦٠٦

روسائے کفار ومشرکین پر رحم وکرم

تاریخ انسانیت کا یہ نادر باب ہے جہاں دشمنوں کے رؤسا پر رحم وکرم کی بارشیں ہو رہی ہیں ان کی برسوں کی خطاؤں کو لمحوں میں معاف کیا جارہا ہے، دنیا کی ریت تو یہ ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے دشمن کو کیفر کردار تک پہنچا کر اپنے تحفظ کا سامان کیا جاتا ہے، کمزور سے کمزور دشمن کو اپنے لیے خطرہ قرار دے کر اس کے استیصال کے طریقے ڈھونڈے جاتے ہیں، دشمنوں کو ہلاک کرنے کا کوئی موقع نہیں گنوایا جاتا، خاص طور سے فریق مخالف کے ماسٹر مائنڈ دشمنوں کو تو معاف کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، ماضی کی تاریخ بھی اس کی شہادت دیتی ہے اور حال کا عالمی منظر نامہ بھی ہمیں یہی بتاتا ہے۔ چند برسوں پہلے عراقی صدر صدام حسین اور لیبیا کا فرماں رواں معمر قذافی، اور مصری صدر حسنی مبارک کے ساتھ امریکہ نے جس طرح کا برتاؤ کیا وہ بھی اسی تاریخی تسلسل کا حصہ ہے۔ لیکن تاریخ کا یہ تسلسل پیغمبر اعظم محمد عربی ﷺ کی سیرت کے حدود میں داخل ہونے کے بعد اپنے آپ کو روکنے پر مجبور ہو جاتا ہے، یہاں معافی اور رحم وکرم کا خانہ بڑا وسیع ہے، اپنے بھی معاف کیے جاتے ہیں غیر بھی بخشے جاتے ہیں، مقربین بھی اس دریائے رحم وکرم میں غوطہ لگا رہے ہیں اور ناشناسا بھی اس لازوال فیضان کرم سے مالا مال ہو رہے ہیں، دوستوں کی خطاؤں کو بھی درگزر کیا جارہا ہے دشمنوں کی شرارتوں سے بھی صرف نظر کیا جارہا ہے، یہ بارگاہ عفو و درگزر اور رحم وکرم کے حوالے سے بے مثال اور بے نظیر ہے۔

دوستوں کی خطاؤں کو معاف کر دینا حیرت کی بات نہیں، حیرت تو یہ ہے کہ یہاں برسوں کے دشمنوں کو بغیر کسی مذمت اور ملامت کے معاف کیا جارہا ہے، سیرت نبوی میں ایسے سیکڑوں واقعات ہیں، ہم یہاں دشمنوں کے قائدین اور رؤسا کے ساتھ سرکار اقدس ﷺ کے بے مثال رحم وکرم کے برتاؤ کو واضح کرنے کے لیے چند مثالیں پیش کرنے پر اکتفا کریں گے۔

ابوسفیان بن حرب:

ابوسفیان کا شمار مکہ کے ان لوگوں میں ہوا کرتا تھا جو اسلام کو اس کی گود ہی میں قتل کر دینا چاہتے تھے اور اس کے لیے وہ باضابطہ کوششیں کر رہے تھے، بلکہ وہ دارالندوہ میں سرکار اقدس ﷺ کے قتل کی مشاورت کرنے والوں میں پیش پیش تھے، جنگ بدر میں سرداران قریش کے قتل کے بعد ابوسفیان اسلام کے خلاف چلنے والی مشرکین کی تحریک کے صدر بن چکے تھے، انہوں نے قسم کھائی تھی کہ جب تک محمد (ﷺ) سے جنگ نہ کرلیں غسل جنابت نہیں کریں گے، بدر کے میدان میں تین ہزار مشرکین کی قیادت کرتے ہوئے مسلمانوں سے برسرپیکار ہوئے، حضرت سلمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کو قتل کیا اور ایک روایت کے مطابق غسیل الملائکۃ حضرت حنظلہ کو بھی انہوں نے ہی شہید کیا، جنگ احد جب اختتام کو پہنچی تو ابوسفیان نے آواز لگائی کیا قوم میں محمد (ﷺ) بھی ہیں، نبی کریم ﷺ نے جواب دینے سے منع فرما دیا، پھر اس نے کہا کیا قوم میں ابن ابی قحافہ ہیں؟، تین مرتبہ یہی پکارا، پھر کہا: کیا قوم میں ابن خطاب ہیں؟ پھر اپنی جماعت میں واپس آیا اور کہا سب قتل کر دیے گئے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو برداشت نہیں ہوا، آپ نے فرمایا: قسم اللہ کی تم نے جھوٹ بولا، جن جن کا تو نے نام لیا ہے سب کے سب زندہ ہیں۔ ابوسفیان نے کہا: سن لو! آج کی تمھاری شکست بدر کی شکست کا بدلہ ہے، پھر وہ نعرہ لگانے لگا: اعل ھبل اعل ھبل۔

سرکار اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم اسے کیوں جواب نہیں دیتے، حضرت عمر نے کہا: کیا جواب دیں، سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا کہو: اللہ اعلیٰ واجل۔

ابوسفیان نے کہا: ان لنا عزیٰ ولا عزیٰ لکم

سرکار اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: جواب کیوں نہیں دیتے، عرض کیا گیا کیا جواب دیں؟ آپ نے فرمایا کہو: اللہ: مولانا ولا مولیٰ لکم

ابوسفیان نے مسلمانوں کی لاشوں کے ساتھ غیر انسانی سلوک کیا، ناک کان کاٹ لیے اور بھی مختلف طریقوں سے بے حرمتی کی۔

ابو سفیاں سن آٹھویں ہجری تک مکہ کا سردار رہا، اسلام کے خلاف اس کی سرگرمیوں کی ایک طویل داستان ہے جسے بیان کرنا نہ یہاں مقصود ہے اور نہ اس کا موقع، یہاں صرف اتنا واضح کرنا ہے کہ وہ اسلام کا سخت ترین دشمن تھا اور اسلام کے نقصان اور نبی کریم ﷺ کی ایذارسانی کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا تھا۔

سنہ ۹ھ میں جب مکہ فتح ہوا تو ابو سفیان سخت خوف زدہ تھا، اس کی ساری بہادری ہوا ہو چکی تھی، اس کے سارے ہم نوا اسلام کے بینر تلے آچکے تھے، اب اسے جان کی حفاظت کی کوئی امید نظر نہیں آرہی تھی، جب سفیان کو مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا گیا تو آپ نے ان سے فرمایا: ویحك یا ابا سفیان الم یان لك ان تعلم لا اله الا الله

اے ابو سفیان تیرا خدا بھلا کرے، ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تو اس روشن حقیقت کو جان لے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

ویحك یا ابا سفیان الم یان لك ان تعلم انی رسول الله

اے ابو سفیان تیرا خدا بھلا کرے، ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ تو اس روشن حقیقت کو جان لے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

حضرت ابن عباس یہ سارا ماجرا ملاحظہ فرمارہے تھے، آپ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے زیادہ حلیم، بردبار اور رحم وکرم فرمانے والا کہیں نہیں دیکھا، میں نے سفیان سے کہا تمھارا برا ہو، تم گردن مارے جانے سے قبل اسلام قبول کرلو اور گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

سفیان نے کلمہ طیبہ پڑھ کر اسلام قبول کرلیا۔

دشمنوں کا سردار ابو سفیان جس نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی اور آٹھ سال تک مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں میں مسلسل مصروف رہا ایسے خطرناک دشمن کے ساتھ نبی رحمت ﷺ نے جو عفو ودرگزر کا معاملہ فرمایا، کیا کوئی اس کا تصور بھی

کر سکتا ہے۔ نبی رحمت ﷺ نے نہ صرف یہ کہ سفیان کی گزشتہ حرکتوں کو معاف فرمادیا بلکہ انہیں یہ اعزاز بھی بخشا کہ جوان کے گھر میں داخل ہوجائے اس کے لیے بھی امان ہے۔

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من دخل فی دار ابی سفیان فھو امین۔۔۔۔ جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے اس کے لیے امان ہے۔ (1)

دشمنوں کے سرداروں کے ساتھ رحم وکرم کی حیرت انگیز داستان آگے بھی پڑھتے جائیے اور دیکھیے کہ مصطفیٰ جان رحمت اخلاق کی کس بلندی پر فائز تھے اور اللہ نے آپ کو کس قدر کریم بنا کر مبعوث فرمایا تھا۔

عکرمہ بن ابوجہل:

عکرمہ فرعونِ امت محمدیہ ابوجہل کا بیٹا اپنے باپ ہی کی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر اسلام اور پیغمبر اسلام کا سخت ترین دشمن تھا۔ قبول اسلام سے پہلے اس نے اسلام کے خلاف مسلسل کوششیں کیں، حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں لڑی جانے والی جنگ خندمہ میں مسلمانوں کے خلاف لڑا، اس جنگ میں جب شکست ہوئی تو مکہ سے فرار اختیار کر کے یمن جانے کا قصد کر لیا، لیکن ان کی بیوی اُمِ حکیم جو ابوجہل کی بھتیجی تھیں اور اسلام قبول کر چکی تھیں، اس نے اپنے شوہر عکرمہ کے لئے بارگاہ رسالت میں معافی کی درخواست پیش کی اور امان کے ساتھ مکہ مکرمہ واپسی کی اجازت چاہی، سرکار اقدس ﷺ نے عفوودرگزر سے کام لیتے ہوئے انہیں امان عطا فرمادی، آقائے کریم ﷺ کی خدمت میں جب عکرمہ کی زوجہ اپنے مشرک شوہر کے لیے امان طلب کرنے پہنچیں تو آپ نے ان سے یہ نہیں فرمایا کہ تمھارے شوہر کے کرتوت نہایت مجرمانہ ہیں، اور تم چند دنوں قبل ہی ایمان لائی ہو لہذا تم پر اعتماد کرتے ہوئے ہم اس خطرناک مجرم اور شاطر دشمن کو امان نہیں دے سکتے، بلکہ آپ نے ان کی درخواست فوراً قبول فرمالی اور عکرمہ کو امان عطا فرمادیا۔

(1)۔تاریخ الامم والملوک للطبری ۲/۱۵٤

ام حکیم اپنے شوہر کو تلاش کرتے ہوئے بڑی کوششوں کے بعد ان تک پہنچیں ، وہ بحر احمر کے ساحل پر تھا اور یمن جانے کے قصد سے کشتی پر سوار ہونے کے قریب تھا ،اس کی بیوی نے اس سے کہا، اے میرے چچا کے بیٹے میں سب سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والے اور لوگوں میں سب سے زیادہ بھلائی کرنے والے اور سب سے افضل شخص کی بارگاہ سے آرہی ہوں، اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو، میں نے تمھارے لیے نبی کریم ﷺ سے امان حاصل کر لیا ہے، عکرمہ نے کہا: تم نے ایسا کیا ہے؟ بیوی نے کہا: ہاں۔

عکرمہ اس وقت اپنے لیے دنیا کو تنگ ہوتی ہوئی محسوس کر رہا تھا ، کہاں جائیں، کس جگہ پناہ لیں یہ فکر انہیں پریشان کر رہی تھی، اس کے سارے رفقا دامن اسلام سے وابستہ ہو رہے تھے ، یمن جانے کا ارادہ کیا تھا، لیکن وہاں بھی مسلمانوں کا ہی غلبہ تھا، لہذا عکرمہ اپنی بیوی کے ساتھ سرکار کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لیے تیار ہو گیا۔

عکرمہ جب مکہ میں داخل ہوا تو نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہونے سے قبل آپ نے اپنے صحابہ سے فرمایا:

یأتیکم عکرمہ بن ابی جهل مومنا مهاجرا ،فلا تسبو ،اباہ فان سب المیت یوذی الحی ،ولا یبلغ المیت۔

ترجمہ: تمھارے پاس عکرمہ بن ابو جہل امان لے کر آرہا ہے، تم اس کے باپ کو گالی مت دینا کیوں کہ میت کو گالی دینا زندوں کو ایذا پہنچاتا ہے، گالی میت کو نہیں پہنچتی۔

عکرمہ دور سے آتے ہوئے دکھے، سرکار دوعالم ﷺ نے انہیں دیکھ کر مسکرا دیا، عکرمہ آپ کے سامنے بیٹھ گیا، اور کہنے لگا: یا محمد ان هذہ اخبرتنی بانك امنتنی ۔اے محمد (ﷺ) اس نے مجھے بتایا کہ آپ نے مجھے امان دے دیا ہے۔

مصطفیٰ جان رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

صدقت فانت آمن ۔ اس نے سچ کہا تم امان میں ہو۔

عکرمہ نے کہا: الا ما تدعو یا محمد۔ اے محمد (ﷺ) آپ کس چیز کی دعوت پیش

کرتے ہیں۔

سرکار ابدقرار ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں اس بات کی دعوت دیتا ہوں کہ تم گواہی دو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں، اور نماز قائم کرو اور زکات ادا کرو، اور پھر اسلام کے دیگر خصائل شمار کرائے۔

عکرمہ نے کہا: مادعوت الا الی الحق وامر حسن جمیل۔ آپ نے حق اور عمدہ چیز کی دعوت دی ہے۔

بس کیا تھا عکرمہ کے دل کی دنیا بدل گئی، وہ آپ کی صداقت کا اعتراف کرتے ہوئے کلمہ شہادت پڑھ کر حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ (1)

مصطفیٰ جان رحمت ﷺ کا حلم وعفو اور رحم وکرم سے متاثر ہو کر دشمنان اسلام جوق در جوق اسلام کی پناہ میں آنے لگے، حق وصداقت کا ایسا جادو چلا کہ روسائے کفار بھی اپنے آپ کو نہیں روک سکے، برسوں کی عداوتوں کو بھلا کر محمد عربی ﷺ کے سایہ عاطفت میں پناہ لینے میں سعادت محسوس کی۔

صفوان بن امیہ:

صفوان بن امیہ کا حال بھی کچھ عکرمہ بن ابوجہل ہی کی طرح تھا، اس کا باپ رسول کریم ﷺ کے سخت معاندین میں تھا جو جنگ بدر میں قتل کیا گیا تھا، اسے اسلام اور پیغمبر اسلام سے نفرت اپنے باپ سے وراثت میں ملی تھی، اس نے اسلام کے خلاف اپنی پوری طاقت جھونک دی یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی قتل کرنے کی کوشش کی، اسلام کی دشمنی میں ان کی زندگی کا ایک طویل حصہ گزرا، فتح مکہ کے وقت صفوان بن امیہ نے راہ فرار اختیار کی، مکہ مکرمہ میں اسے پنا لینے کے لیے کوئی مکان نہیں ملا، کیوں کہ ہر گھر میں اسلام کی روشنی پھیل گئی تھی، اس نے اندازہ لگا لیا کہ مستقبل میں اسے جزیرہ عرب میں کہیں سر چھپانے کی جگہ نہیں ملے گی، اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کیا کہ دریا میں ڈوب کر جان دے دی جائے، اپنے اس منصوبے پر عمل در

(1)۔المو طا للاما محمد بن حسن، المستدرك ٢ ٢٦٩

آمد کے لیے وہ بحر احمر کی جانب چلا، اس کے ساتھ اس کا غلام یسار تھا، دوسرا کوئی اور وہاں موجود نہیں تھا، وہ شکست وہزیمت کے کرب میں مبتلا ہو کر نڈھال ہو چکا تھا، اس نے دور سے دیکھا کہ کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے، وہ خوفزدہ ہو کر اپنے غلام سے کہا، برا ہو، دیکھو کون آرہا ہے، غلام نے کہا وہ عمیر بن وہب ہیں۔ صفوان نے اپنے غلام سے کہا میں عمیر کے ساتھ کیسا برتاؤ کروں؟ قسم اللہ کی وہ میرے قتل کے ارادے سے آرہا ہے، کیوں کہ وہ اسلام میں داخل ہو چکا ہے۔

عمیر بن وہب صفوان سے ملا تو صفوان نے ان سے کہا: جو تم نے میرے ساتھ کیا وہ کافی نہیں تھا کہ اب میرے قتل کے ارادے سے یہاں پہنچ گئے، عمیر نے کہا: معاملہ ایسا نہیں ہے، بلکہ میں دنیا کی بہترین شخصیت کے پاس سے آرہا ہوں، جب میں نے دیکھا کہ میرا قدیم دوست مکہ چھوڑ کر بھاگ رہا ہے تو مجھ پر رقت طاری ہو گئی اور رحم آگیا، چنانچہ میں بھاگ کر اپنے آقا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ! میری قوم کا سردار مکہ چھوڑ کر جارہا ہے تاکہ دریا میں ڈوب کر اپنی جان دے دے، اسے خوف ہے کہ آپ اس کو امان نہیں دیں گے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: قد امنته۔ میں نے اسے امان دیا۔

عمیر بن وھب نے صفوان بن امیہ سے کہا کہ رسول اللہ ﷺ تمہیں امان دے چکے ہیں، لیکن صفوان بن امیہ کا خوف کم نہیں ہوا اور کہا: قسم اللہ کی میں واپس نہیں جاؤں گا، جب تک میں اپنی امان پر کوئی علامت نہ دیکھ لوں، چنانچہ عمیر بن وھب رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے اور عرض کیا یارسول اللہ! میں صفوان بن امیہ کے پاس گیا اور آپ کے امان کے بارے میں بتایا، لیکن اس نے کہا: میں اس وقت تک واپس نہیں ہوں گا جب تک میں کوئی علامت نہ دیکھ لوں جس سے مجھے یقین ہو جائے کہ مجھے امان مل چکا ہے۔

رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: خذ عمامتی الیه ----- میرا عمامہ اس کے پاس لے جاؤ۔

عمیر بن وہب ان کے پاس سرکار دوعالم ﷺ کا عمامہ لے کر پہنچے،

لیکن پھر بھی انہیں قتل کا خوف باقی رہا اور انتہائی کمزوری کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

اخاف ان اقتل۔۔۔۔مجھے خوف ہے کہ قتل کر دیا جاؤں۔

عمیر بن وھب نے کہا رسول اللہ ﷺ نے تمہیں اسلام کی دعوت دی ہے، اگر تم راضی ہو تو ٹھیک ہے ورنہ دو مہینے کی مہلت تمھارے لیے ہے۔ آخر کار یہ دونوں سرکار دوعالم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اس وقت آپ صحابہ کے ساتھ نماز ادا فرمارہے تھے، جب آپ نماز سے فارغ ہوئے تو صفوان نے بلند آواز میں سرکار اقدس ﷺ سے کہا کہ عمیر بن وہب آپ کے عمامہ کے ساتھ آئے اور کہا کہ آپ نے مجھے اپنے پاس بلایا ہے اور دو مہینے کی مہلت دی ہے۔

سرکار دوعالم ﷺ نے بڑے نرم لہجے میں فرمایا: انزل اباوھب۔ ابووہب اترو۔

صفوان نے خوف وہراس بھرے انداز میں کہا: قسم اللہ کی نہیں اتروں گا، یہاں تک کہ آپ واضح فرمادیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تمھارے لیے چار مہینے کی مہلت ہے۔

اسی درمیان جنگ حنین کی تیاری ہونے لگی، جس کے لیے ہتھیاروں کی ضرورت پیش آئی، صفوان بن امیہ ہتھیاروں کا بڑا مشہور تاجر تھا، ہتھیاروں کا بڑا ذخیرہ اس کے پاس موجود تھا، سرکار اقدس ﷺ نے بطور عاریت اس سے ہتھیار طلب کیے، وہ خوف زدہ ہو گیا، اور کہا: کیا بطور غصب لینا چاہتے ہیں، آپ نے ارشاد فرمایا: نہیں بلکہ قیمت دے کر اور کچھ عاریت کے بطور لیا جائے گا، پھر اس کے ٹوٹنے یا تلف ہونے پر ضمان دیا جائے۔

چنانچہ اس نے ہتھیار دے دیے اور ان کی نگہبانی کے لیے خود بھی جنگ حنین میں گیا، مسلمانوں نے جواں مردی کے ساتھ جنگ لڑی اور اپنے مخالفین کو شکست دے کر فتح حاصل کر لی، مال غنیمت جمع کیا گیا، سرکار نے مال غنیمت تقسیم فرمانا شروع کیا، صفوان بن امیہ دور کھڑا حسرت ویاس کے ساتھ تقسیم مال غنیمت کا منظر دیکھ رہا تھا، وہ شرک کی حالت میں تھا، صرف اپنے ہتھیاروں کی وجہ سے مسلمانوں کے ساتھ یہاں آیا تھا، سرکار کے رحم وکرم پر قربان جائیں، آپ نے صفوان بن امیہ کو آواز دے کر بلایا اور اسے بھی تالیف قلب کے لیے مال غنیمت میں سے سو اونٹ عطا کیے۔

کیا سخاوت اور رحم وکرم کی ایسی کوئی مثال پیش کر سکتا ہے۔ صفوان بن امیہ اس جود وسخا کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا، سرکار کے اخلاق کریمانہ کو دیکھ کر وہ اپنے آپ کو نہیں روک سکا اور وہیں کلمہ طیبہ پڑھ کر داخل اسلام ہو گیا۔

فضالہ بن عمیر:

فضالہ بن عمیر بھی نبی کریم ﷺ کے شدید ترین مخالفین میں سے تھا، فتح مکہ کے موقع پر اس نے بڑی چالاکی سے آپ کو شہید کرنے کی کوشش کی۔ ہوا یوں کہ مصطفیٰ جان رحمت ﷺ فتح کے دن دس ہزار صحابہ کے درمیان تشریف فرما تھے، اسی درمیان فضالہ اٹھا تاکہ آپ کے قریب پہنچ کر آپ کو قتل کر دے، ظاہر ہے جاں نثاروں کی اس بھیڑ میں اس کا یہ اقدام ایک قسم کی حماقت تھی، لیکن وہ عداوت میں اندھا ہو چکا تھا، اور اپنی جان پر کھیل کر نبی کریم ﷺ کو قتل کرنا چاہتا تھا، اس نے صحابہ کرام کے درمیان اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کیا تاکہ سرکار دوعالم ﷺ تک پہنچنے میں اسے کسی قسم کی مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑے، پھر تلوار کو کپڑوں میں چھپا کر آپ کی جانب بڑھا، اس وقت آقائے کریم ﷺ طواف فرما رہے تھے، جب وہ آپ کے قریب پہنچا تو آپ نے فرمایا: افضالۃ؟ کیا فضالہ ہو؟

اس نے کہا: نعم فضالۃ یارسول اللہ

ہاں یارسول اللہ! میں فضالہ ہوں

آپ نے ارشاد فرمایا: ماذا کنت تحدث بہ نفسك

تم کیا سوچ رہے تھے۔

اس نے کہا: لا شئی، اذکر اللہ

کچھ نہیں، بس اللہ کو یاد کر رہا تھا۔

اس پر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور ارشاد فرمایا: استغفر اللہ یا فضالۃ اے فضالہ اللہ سے اپنی بخشش طلب کرو۔

پھر آپ نے اس کے سینے پر اپنا دست اقدس رکھا، تو اس کے دل کی دنیا بدل گئی، فضالہ

کہتے ہیں جب مصطفیٰ جان ﷺ نے اپنا دست اقدس میرے سینے پر رکھا تو مجھے دنیا کی سب سے محبوب ترین شئ آپ ہی کی ذات لگنے لگی۔

ایک ایسا شخص جو قتل کے ارادے سے آیا ہو، اس کے ساتھ آپ کا یہ برتاؤ یقینا حیرت انگیز اور عدیم المثال ہے۔ دشمنوں کے سرداروں کے ساتھ سرکار دوعالم ﷺ کے رحم وکرم کی داستان بڑی طویل ہے، ہم نے یہاں چند حوالے بطور نمونہ پیش کیے ہیں۔

باب ششم

جانوروں پر رحم وکرم

جانوروں پر رحم وکرم

رسول کریم ﷺ جہاں انسانوں کے لیے نرمی اور شفقت کے پیکر جمیل اور رحم وکرم کے پیامبر بن کر تشریف لائے وہیں چرندوں، پرندوں، درندوں اور مختلف قسم کے حیوانات کے لیے مجسم رحمت بن کر مبعوث ہوئے،آپ کی رحمت کا دائرہ صرف انسانوں تک ہی محدود نہ تھا؛ بلکہ آپ کی رحمت چرندو پرند حیوانات پر بھی سایہ فگن تھی، جہاں آپ نے اپنی تعلیمات کے ذریعہ جانوروں کے ساتھ نرمی کی ہدایات دیں، وہیں اپنے عمل کے ذریعہ بھی جانور کے ساتھ رحم وکرم کا معاملہ فرمایا۔ جانوروں کے حقوق کے تحفظ کی خاطر حکومتیں آج بیدار ہورہی ہیں، جانوروں کے تحفظ کے لیے سرگرم مہمیں چلارہی ہیں، ، قربان جائیے نبیِ اکرم ﷺ پر جنہوں نے آج سے چودہ صدی قبل ہی حیوانات کے حقوق کے تحفظ اور ان کی حمایت کا اعلان فرمادیا تھا، آپ نے جانوروں کو بھوکا رکھنے،اسے تکلیف دینے اور اس پر طاقت سے زائد بوجھ لادنے سے منع فرمایا،نیز جانور کو نشانہ بنانا، جانور پر ظلم قرار دیا تھا، جانوروں کو تکلیف دینے کو آپ نے دل کی سختی میں سے شمار فرمایا۔

ہم یہاں جانوروں کے ساتھ رحم وکرم اور نرمی کے چند واقعات وفرمودات پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

زندہ جانوروں پر نشانہ بازی کی ممانعت:

عرب معاشرے میں جانوروں کو تکلیف دینے کی رائج صورتوں میں ایک اہم صورت زندہ جانور کو نشانہ بازی کے لیے مقرر کرنا تھا، زندہ جانور کو جب تیروں کے ذریعہ چھلنی کیا جاتا ہوگا تو کس قدر انھیں تکلیف ہوتی ہوگی اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، یقیناً بے زبان جانوروں کے ساتھ یہ برتاؤ ان پر کھلا ظلم تھا، مصطفیٰ جان رحمت ﷺ ظلم کو ختم کرنے اور عدل وانصاف کو فروغ دینے کے لیے بھیجے گئے تھے آپ اس ظلم پر خاموش کیسے رہ سکتے تھے، آپ نے اپنے صحابہ کو اس فعل قبیح سے سختی کے ساتھ منع فرمایا ۔

حضرت ہشام بن زید بن انس فرماتے ہیں:

دخلت مع جدی انس ابن مالك دار الحكم بن ایوب، فاذا قوم قد نصبوا دجاجة یر مونها، قال: فقال : انس: نهی رسول الله ﷺان تصبر البهائم [1]

ترجمہ: میں اپنے دادا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ساتھ حکم بن ایوب کے گھر آیا، وہاں کچھ لوگ ایک مرغی کو باندھ کر اس پر تیر مار رہے تھے، وہ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے کہا: رسول اللہ ﷺ نے جانوروں کو باندھ کر مارنے سے منع فرمایا ہے۔

سعید ابن جبیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے:

مر ابن عمر بفتیان من قریش قد نصبوا طیرا، وهم یر مونه، وقد جعلوا لصاحب الطیر کل خاطئة من نبلهم، فلما رأو ابن عمر تفرقوا، فقال ابن عمر، من فعل هذا لعن الله، من فعل هذا؟ ان رسول الله ﷺ لعن من اتخذ شئیا فیه الروح غرضا۔ [2]

حضرت ابن عمر کا قریش کے چند جوانوں پر گزر ہوا جو ایک پرندے کو باندھ کر اس پر تیر اندازی کی مشق کر رہے تھے اور انہوں نے پرندے والے سے یہ طے کر لیا تھا کہ جس کا تیر نشانہ پر نہیں لگے گا وہ اس کو کچھ دے گا جب انہوں نے حضرت عمر کو دیکھا تو ادھر ادھر ہو گئے، حضرت ابن عمر نے فرمایا جو شخص اس طرح کرے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جو شخص کسی جاندار کو ہدف بنائے بلا شبہہ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لعنت ہے۔

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

أنه دخل علی یحیی بن سعید وغلام من بنی یحیی رابط دجاجة.

(1)۔ مسلم شریف: کتاب الصید، رقم الحدیث ٤٣

(2)۔ مسلم شریف: کتاب الصید، رقم الحدیث ٤٣

یرمیھا، فمشی إلیھا ابن عمر حتی حلھا، ثم أقبل بھا وبالغلام معه فقال ازجروا غلامکم عن أن یصبر ھذا الطیر للقتل، فإنی سمعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم نھی أن تصبر بھیمة أو غیرھا للقتل.[1]

وہ یحییٰ بن سعید کے یہاں تشریف لے گئے۔ یحییٰ کی اولاد میں ایک بچہ ایک مرغی باندھ کراس پر تیر کا نشانہ لگا رہا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مرغی کے پاس گئے اور اسے کھول لیا پھر مرغی کو اور بچے کو اپنے ساتھ لائے اور یحییٰ سے کہا کہ اپنے بچے کو منع کر دو کہ اس جانور کو باندھ کر نہ مارے کیوں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ نے کسی جنگلی جانور یا کسی بھی جانور کو باندھ کر جان سے مارنے سے منع فرمایا ہے۔

پرندوں کے بچوں کو اٹھا لینے کی ممانعت:

ماں کو اولاد سے جو محبت ہو تی ہے وہ فطری ہے ،اللہ تعالیٰ نے یہ جذبہ جانوروں میں بھی پیدا فرمایا ہے ،ہم دیکھتے ہیں کہ جب جانور کو اس کے بچے سے جدا کیا جاتا ہے تو وہ بلبلا اٹھتا ہے ،اپنے انداز میں کرب واضطراب کا اظہار کرتا ہے ،موذی جانور ایسی صورت میں حملہ آور بھی ہوجاتا ہے۔

ابن مسعود فرماتے ہیں ہم سفر میں تھے ،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی ضرورت کے لیے تشریف لے گئے ،اتنے میں ہم نے ایک سرخ پرندے کو اس کے چوزوں سمیت دیکھا، لہٰذا ہم نے اس کے بچوں کو اٹھالیا، ان چوزوں کی ماں سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، اور اپنے بازو ہلا کر کچھ کہنے لگی، آپ نے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے پوچھا کہ کس نے اس پرندے کے بچوں کو اس سے جدا کر کے تکلیف دی ہے،اس کے بچوں کو لوٹا دو۔[2]

ایک صحابی حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:۔

(1)۔البخاری: کتاب الصید والذبائح ،باب مایکرہ من المثلة

(2)۔ابو داؤد: ۳۶۷۵،کراھیة احراق العدو بالنار

ہم ایک سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ تھے کہ ایک چھوٹی چڑیا دیکھی جس کے ہمراہ دو بچے بھی تھے۔ ہم نے اس کے بچے اٹھائے تو چڑیا ہمارے قریب آکر اڑنے لگی۔ حضور ﷺ نے دیکھا تو فرمایا اس چڑیا کو اس کے بچوں کی وجہ سے کس نے تکلیف پہنچائی ہے۔ اس کے بچے واپس رکھ دو۔ [1]

جانوروں کے مثلہ کی ممانعت:

زندہ جانوروں کے اعضا کو کاٹ لینا بڑے تکلیف کی بات ہے، زمانہ جاہلیت میں ایک طریقہ مثلہ کا بھی رائج تھا نبی کریم ﷺ نے اس طریقے کو جانوروں پر ظلم قرار دیا اور اس کی ممانعت فرمائی اور مثلہ کرنے والوں کو لعنت کا مستحق قرار دیا:

ایک دفعہ مثلہ زدہ گدھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سے گزرا تو آپ علیہ الصلاۃ والسلام نے اس کے مرتکب پر لعنت فرمائی [2]

جانوروں پر احسان، مغفرت کا ذریعہ:

ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنے کو کار ثواب قرار دیا گیا ہے، انسانوں کی طرح جانور بھی ضرورت مند ہوتے ہیں بلکہ انسانوں کے مقابلے میں جانور زیادہ محتاج اور رحم وکرم کے مستحق ہوا کرتے ہیں، نبی کریم ﷺ نے جہاں حاجت مند انسانوں کی حاجت روائی کا حکم دیا وہیں جانوروں کے ساتھ بھی احسان کرنے کو کار ثواب فرمایا بلکہ بعض خصوصی مواقع پر جانوروں کے ساتھ احسان کو مغفرت کا ذریعہ قرار دیا۔

بخاری شریف کی حدیث پاک ہے

عن أبي هريرة، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال " بينما رجل يمشي بطريق اشتد عليه العطش، فوجد بئرا فنزل فيها فشرب ثم خرج، فإذا كلب يلهث يأكل الثرى من العطش فقال الرجل لقد بلغ هذا الكلب

(1)۔سنن ابو داؤد. کتاب الادب باب قتل الذر

(2)۔مسلم: ۲۱۱۷ باب النهي عن ضرب الحيوان في وجهه

من العطش مثل الذی کان بلغ بی، فنزل البئر فملأ خفه، ثم أمسکه بفیه، فسقی الکلب، فشکر الله له فغفر له ". قالوا یا رسول الله وإن لنا فی البهائم أجرا. فقال " فی کل ذات کبد رطبة أجر [1].

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص راستہ میں چل رہا تھا کہ اسے شدت کی پیاس لگی اسے ایک کنواں ملا اور اس نے اس میں اتر کر پانی پیا۔ جب باہر نکلا تو وہاں ایک کتا دیکھا جو ہانپ رہا تھا اور پیاس کی وجہ سے تری کو چاٹ رہا تھا۔ اس شخص نے کہا کہ یہ کتا بھی اتنا ہی زیادہ پیاسا معلوم ہو رہا ہے جتنا میں تھا۔ چنانچہ وہ پھر کنویں میں اترا اور اپنے جوتے میں پانی بھرا اور منہ سے پکڑ کر اوپر لایا اور کتے کو پانی پلایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے اس عمل کو پسند فرمایا اور اس کی مغفرت فرما دی۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا ہمیں جانوروں کے ساتھ نیکی کرنے میں بھی ثواب ملتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہیں ہر تازہ کلیجے والے پر نیکی کرنے میں ثواب ملتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ ہی کی ایک روایت یہ بھی ہے:

قال النبی صلی الله علیه وسلم " بینما کلب یطیف برکیة کاد یقتله العطش إذ رأته بغی من بغایا بنی إسرائیل، فنزعت موقها فسقته، فغفر لها به [2]

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ایک کتا ایک کنویں کے چاروں طرف چکر کاٹ رہا تھا جیسے پیاس کی شدت سے اس کی جان نکل جانے والی ہو کہ بنی اسرائیل کی ایک زانیہ عورت نے اسے دیکھ لیا۔ اس عورت نے اپنا موزہ اتار کر کتے کو پانی پلایا اور اس کی مغفرت اسی عمل کی وجہ سے ہو گئی۔

(1)۔بخاری: کتاب الادب، باب رحمۃ الناس والبہائم

(2)۔بخاری: کتاب الانبیا

ایک نجس جانور جس کو ہر شخص دھتکارتا اور بھگاتا ہے، اس کے ساتھ رحم وکرم کو مغفرت کا باعث قرار دیا جانا جانوروں پر حد درجہ رحم وکرم کی دلیل ہے، سرکار اقدس ﷺ نے صحابہ کے سامنے یہ واقعہ بیان فرماکر انہیں جانوروں پر رحم کرنے کی ترغیب فرمائی۔

مصطفیٰ جان رحمت ﷺ نے جانوروں کے چرنے کے لیے پودے لگانے کو بھی باعث ثواب قرار دیا:

عن أنس بن مالك، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال " ما من مسلم غرس غرسا فأكل منه إنسان أو دابة إلا كان له صدقة ".[1]

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی مسلمان کسی درخت کا پودا لگاتا ہے اور اس درخت سے کوئی انسان یا جانور کھاتا ہے تو لگانے والے کے لیے وہ صدقہ ہوتا ہے۔

نبی کریم ﷺ جانوروں کے ساتھ خود بھی نرمی فرماتے اور اپنے صحابہ کو بھی نرمی کا حکم دیتے، ایک دفعہ ایک اونٹ بدک گیا، صحابہ کرام کے لیے اس اونٹ کو سنبھالنا دشوار ہوگیا، آپ باغ میں داخل ہوئے جس میں یہ اونٹ تھا، مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ کی طرف بڑھ رہے تھے، توصحابہ کرام نے کہا: یہ اونٹ کٹخنے کتے کی طرح ہوگیا ہے، یہ آپ پر حملہ آور ہوسکتا ہے، آپ نے فرمایا: گھبرانے کی کوئی بات نہیں، جب آپ نے اس اونٹ پر نظر التفات کیا تووہ اونٹ سجدہ ریز ہوگیا، آپ نے اس کی پیشانی پکڑی اور اسے کام پر لگادیا، یہ دیکھ کر صحابۂ کرام کہنے لگے، جب جانور آپ کو سجدہ کرسکتا ہے، ہم انسان ہوکر آپ کو سجدہ کیوں نہ کریں، توسرکاراقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی انسان کے لیے سجدہ درست نہیں، اگر کسی انسان کے لیے سجدہ درست ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر

---

(1) البخاري:باب فضل الزرع والغرس اذااكل منها. مسلم: كتاب المساقات باب فضل الزرع والغرس

کو سجدہ کرے۔[1]

ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم باغ میں داخل ہوئے، وہاں ایک اونٹ تھا، اس نے جیسے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو وہ رونے لگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے آنسو پوچھے، وہ خاموش ہوگیا، آپ نے اس کے مالک کے سلسلہ میں دریافت کیا تو ایک انصاری صحابی نے کہا کہ میں اس کا مالک ہوں، آپ نے فرمایا: کیا تم جانور کے سلسلہ میں اللہ سے نہیں ڈرتے، جس کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں مالک بنایا ہے، اس سے کام زیادہ لیتے ہو، اور بھوکا رکھتے ہو،[2]

گورپے جیسے حقیر ترین جانور کے سلسلے میں سرکار دوعالم ﷺ کا یہ فرمان ملاحظہ فرمائیں:

من قتل عصفورا عبثا، عج الی اللہ عزوجل یوم القیامۃ یقول: یارب ان فلانا قتلنی عبثا ولم یقتلنی بمنفعۃ۔[3]

ترجمہ: جس نے کسی گورپے کو بلاوجہ قتل کیا، وہ اللہ کی بارگاہ میں قیامت کے دن شکایت کرتے ہوئے کہے گا کہ اے میرے رب فلاں نے مجھے بلاوجہ کسی منفعت کے بغیر قتل کیا۔

نبی کریم ﷺ ایک انصاری صحابی کے باغ میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک اونٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر بلبلا اٹھا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ آپ نے شفقت سے اس پر ہاتھ پھیرا تو وہ پرسکون ہوگیا۔ تو آپ نے پوچھا یہ اونٹ کس کا ہے؟ ایک انصاری نے بتایا کہ میرا اونٹ ہے۔ فرمایا اس اونٹ نے میرے پاس شکایت کی ہے کہ تم

---

(1) مسند احمد: ١٢٦١٤

(2) ابو داوٗد: ٢٥٤٩

(3) مسلم: کتا ب الصید والذبائح وما یوکل من الحیوان، باب الامر باحسان الذبح والقتل وتحدید الشفر)

اسے بھوکا رکھتے ہو اور طاقت سے بڑھ کر کام لیتے ہو۔ خدا نے تمہیں اس کا مالک بنایا ہے۔ اس کے بارے میں خدا سے ڈرو۔[1]

حضرت سہل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک اونٹ کے پاس سے گزرے جس کا پیٹ بھوک کی وجہ سے کمر کے ساتھ لگ چکا تھا۔ اسے دیکھ کر آپ نے فرمایا ان بے زبان جانوروں کے متعلق خدا سے ڈرو۔ ان پر سواری بھی اس وقت کرو جب یہ صحت مند ہوں اور ان کا گوشت تب کھاؤ جب یہ صحت مند ہوں۔[2]

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک دن میں ایک ایسے اونٹ پر سوار ہوئی جو اڑیل تھا اور مجھے تنگ کر رہا تھا تو میں نے اسے ادھر ادھر دوڑانا شرع کر دیا۔ آقائے کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو فرمایا نرمی اختیار کرو۔[3]

جانوروں کو ذبح کرنے میں آسانی برتی جائے:

اپنی جان ہر جان دار کو پیاری ہوتی ہے، جانوروں کو بھی اللہ تعالیٰ نے ایک گونہ احساس کی قوت عطا فرمائی ہے، وہ اپنے ساتھ ہونے والے معاملے کو آثار وقرائن سے جان لیتے ہیں اسی لیے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے جانور کے سامنے چاقو وغیرہ تیز کرنے سے منع کیا ہے، نیز آپ نے ذبح کرنے میں تیز چھری استعمال کرنے کا حکم دیا تاکہ جانور کو تیزی کے ساتھ ذبح کر دیا جائے، تاخیر کی وجہ سے زیادہ تکلیف کا سامنا نہ کرنا پڑے، مصطفیٰ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

ان اللہ کتب الاحسان علیٰ کل شئی، فاذا قتلتم فاحسنو القتلۃ واذا ذبحتم فاحسنو الذبح والیحد احد کم شفرتہ فلیرح ذبیحتہ۔[4]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں احسان کو لازم کیا ہے، جب تم قتل کرو تو اچھے انداز میں قتل

---

(1) سنن ابو داؤد: کتاب الجهاد باب مایومر به من القیام علی الدواب والبهائم

(2) سنن ابو داؤد. کتاب الجهاد. باب مایومر به من القیام علی الدواب والبهائم

(3) صحیح مسلم کتاب البر والصلة: باب فی فضل الرفق

(4) صحیح مسلم: ۱۹۵۵

کرو، جب تم ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو، چھری کو تیز کر لیا کرو، اور مذبوح کو راحت پہنچاؤ
ایک صحابی نے فرمایا: یارسول اللہ...! میں بکری کو ذبح کرتا ہوں، اس پر رحم بھی آتا ہے، آپ نے فرمایا: اگر تم نے بکری پر رحم کیا تو اللہ تعالیٰ تم پر رحم کرے گا۔[1]

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک صحابی جانور کو لٹا کر چھری تیز کرنے لگے، آپ نے فرمایا: تم اس جانور کو کئی موتوں سے مارنا چاہتے ہو، لٹانے سے پہلے ہی چھری کیوں نہ تیز کی[2]۔

جانوروں کے حوالے سے نبی کریم ﷺ کے رحم وکرم کی یہ چند مثالیں ہیں جن سے آپ کی شان رحیمی وکریمی کا ندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(1) مسنداحمد:١٥٥٩٢

(2) مستدرك حاكم: ٧٥٦٣

مختصر تعارف مصنف

نام : محمد ساجد رضا مصباحی

ولدیت : منشی محمد حسین رضوی

جاے پیدائش : نوری نگر کمات، ضلع اتر دیناج پور بنگال

تاریخ پیدائش : ۳؍مئی ۱۹۸۴ء

ابتدائی تعلیم : دارالعلوم فیض عام کونہ و نوری نگر کمات ضلع اتر دیناج پور بنگال

جامعہ اشرفیہ سے پہلے جن مدارس میں تعلیم حاصل کی: مدرسہ احسن المدارس قدیم نئی سڑک کان پور (۱۹۹۲ء)، مدرسہ گلشن اجمیر بہریا بازار الہ آباد یوپی (۱۹۹۲ء تا ۱۹۹۵ء) مدرسہ عزیزیہ ناشر العلوم ابراہیم پور ضلع اعظم گڑھ یوپی (۱۹۹۶ء) مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیرآباد ضلع مئو یوپی (۱۹۹۷ء تا ۱۹۹۹ء)

جامعہ اشرفیہ میں داخلہ: ۱۵؍شوال المکرم ۱۴۲۰ھ، مطابق ۲۲؍جنوری ۲۰۰۰ء (درجہ ثانیہ)

فراغت فضیلت: یکم جمادی الآخرہ ۱۴۲۷ھ، مطابق ۲۷؍جون ۲۰۰۶ء چہار شنبہ

فراغت تخصص فی الفقہ: یکم جمادی الآخرہ ۱۴۲۹ھ، مطابق ۵؍جون ۲۰۰۸ء جمعرات

جامعہ اشرفیہ مبارک پور کے اساتذہ: حضرت علامہ عبدالشکور مصباحی قبلہ حضرت علامہ محمد احمد مصباحی قبلہ، حضرت علامہ مفتی نظام الدین رضوی مصباحی قبلہ، حضرت مولانا اسرار احمد قبلہ، حضرت علامہ شمس الہدیٰ مصباحی قبلہ، حضرت مولانا اعجاز مصباحی قبلہ، حضرت مولانا عبدالحق مصباحی قبلہ، حضرت مولانا مسعود احمد مصباحی قبلہ، حضرت مولانا نفیس احمد مصباحی قبلہ، حضرت مولانا صدر الوریٰ قادری مصباحی قبلہ، حضرت مولانا مبارک حسین مصباحی قبلہ، حضرت مفتی بدر عالم مصباحی قبلہ، حضرت مفتی معراج القادری قبلہ، حضرت مولانا ناظم علی مصباحی قبلہ، حضرت مفتی زاہد علی سلامی قبلہ، حضرت مولانا اختر کمال مصباحی قبلہ، حضرت مولانا حسیب اختر مصباحی، حضر مولانا ساجد

علی مصباحی قبلہ، حضرت مولانا دستگیر علی مصباحی قبلہ وغیرہ۔

شعبہ تربیت تصنیف المجمع الاسلامی مبارک پور کے دو سالہ کورس سے فراغت: شعبان ۱۴۲۷ھ، اگست ۲۰۰۸

حافظ ملت انفارمیشن ٹیکنالوجی انسٹی ٹیوٹ سے کمپیوٹر ڈپلومہ: A.D.C.A(۱۴۲۷ھ، ۲۰۰۷ء)

اسنادو مارکشیٹ: حفظ وقراءت (مدرسہ اشرفیہ ضیاء العلوم خیر آباد) عالم، فاضل، تخصص فی الفقہ (جامعہ اشرفیہ مبارک پور).A.D.C.A کمپیوٹر ڈپلومہ (حافظ ملت انفارمیشن ٹیکنالوجی انسٹی ٹیوٹ جامعہ اشرفیہ مبارک پور) عالم، فاضل (مغربی بنگال مدرسہ بورڈ) مولوی، منشی، عالم، کامل، فاضل معقولات، فاضل دینیات، فاضل ادب (اترپردیش مدرسہ تعلیمی بورڈ لکھنو)

مضامین ومقالات: ماہنامہ اشرفیہ مبارک پور اور دیگر رسائل و جرائد میں سو سے زائد مضامین ومقالات کی اشاعت۔

تصنیف وتالیف: ۱۔ قلمی رشحات (منتخب مضامین کا مجموعہ) ۲۔ عہد نبوی میں غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ ۳۔ تحقیقی فتاویٰ طلبہ جامعہ صمدیہ سلسلہ اشاعت 1 (ترتیب) ۴۔ تحقیقی فتاویٰ طلبہ جامعہ صمدیہ سلسلہ اشاعت 2 (ترتیب) ۵۔ سیرت نبوی میں رحم وکرم کے تابندہ نقوش

سیمینار اور مجلس مذاکرات میں شرکت: ۱۔ تنظیم فروغ ادب طلبہ جامعہ اشرفیہ مبارک پور (۲۰۰۷) ۲۔ دارالعلوم یتیم خانہ صفویہ کرنیل گنج گونڈہ (۲۰۰۷ء) ۳۔ تنظیم دعوت القرآن خصر پور کولکاتا (۲۰۰۹ء)۔ ۴۔ جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف (۲۰۱۰ء) ۵۔ دارالعلوم یتیم خانہ صفویہ کرنیل گنج گونڈہ (۲۰۱۰ء) ۶۔ جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف (۲۰۱۱ء)۔ ۷۔ دارالعلوم یتیم خانہ صفویہ کرنیل گنج گونڈہ (۲۰۱۴ء)۔ ۸۔ درگاہ کمیٹی اجمیر شریف (۱۴۳۴ھ)

تدریسی خدمات: جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف ضلع اوریا یوپی، شوال ۱۴۲۹ھ، اکتوبر ۲۰۰۸ء تا حال

☆☆☆

سیرت نبوی کا موضوع تاریخ کے ہر دور میں فکر و قلم کے شناوروں کے لیے مرغوب و محبوب رہا ہے کیوں کہ یہ ان کے ہی محبوب کی داستان فضل و کمال نہیں بلکہ ان کے محبوب کے صانع وخلاق کی مشیت و چاہت کا بھی مرکز و محور رہا ہے، انہی خوش نصیبوں میں آج ایک نام کا اور اضافہ ہو گیا ہے، میں اس نام اور کام کو دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ہزار ہا ہزار مبارک بادیاں پیش کرتا ہوں، وہ نام میرے ایک عزیز ترین رفیق قلم کا ہے جس نے کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ سعادتیں اپنے دامن میں سمیٹی ہیں، وہ نام حضرت مولانا محمد ساجد رضا مصباحی استاذ جامعہ صمدیہ پھپھوند شریف کا ہے اور کام ہے "سیرت نبوی میں رحم وکرم کے تابندہ نقوش" ۔نام بھی اچھا ہے اور کام بھی با برکت ہے۔ ہمت بلند ہے، قلم جوان ہے، جو اپنے ضرب کاری سے پتھروں سے پانی نکال رہا ہے ، پیشانی منور وسعادت مند ہے، جو اپنی سورج مکھی مسکراہٹوں سے صحراؤں میں پھول کھلا رہا ہے۔ قلم موصوف کا ہے مگر فیضان حافظ ملت اور حافظ بخاری کی غیبی عنایتوں کا ہے، قلم ان کی انگلیوں میں چل رہا ہے، رہنمائی خانقاہ صمدیہ مصباحیہ پھپھوند شریف کے گنبد و مینار میں آرام فرما مردِ درویش کے روحانی تصرفات کر رہے ہیں، موصوف بڑے خوش قسمت ہیں کہ ایسی بافیض بارگاہ میں خدمت پر مامور ہیں۔ رسول پاک کے تذکرہ کی کتاب اولاد رسول کی جناب میں بیٹھ کر لکھی جا رہی ہے۔۔۔ایں سعادت بزور بازو نیست

کتاب کیا ہے رسول عربی کے رحم وکرم ، جود ونوال ، عطا وسخا اور فقر وغنا کی لازوال داستان ہے، جس میں صفحہ صفحہ پر اس نبی امی ﷺ کی حیاتِ درخشاں کے نورانی نقوش گل بوٹے کی طرح سجائے گئے ہیں۔ میں اپنے محدود مطالعہ کے مطابق اعتراف کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا کہ ابھی تک اردو زبان میں اس موضوع پر مستقل کوئی تصنیف میری نظر سے نہیں گزری۔

امید قوی ہے کہ یہ کتاب قبولیت کے سارے ریکارڈ توڑ ڈالے گی اور ہاتھوں ہاتھ شرق سے غرب تک اور شمال سے جنوب تک ہر بزم محبت میں دھوم مچا دے گی، یہ کتاب ادیبوں کے لیے مواد، پیران عظام کے لیے بصیرت، خطیبوں کے لیے خزانہ اور عوام کے لیے مشعل راہ ثابت ہوگی۔

مقبول احمد سالک مصباحی
بانی و مہتمم جامعہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نئی دہلی

۱۰ر جمادی الاولی ۱۴۳۷ھ
۲۰ر فروری ۲۰۱۶ء شنبہ

MAKTABA SAMADIA
Phaphund Sharif, Distt. Auraiya U.P.
Mob: 9719872617, 9997364568 E-mail: maktabasamadia@gmail.com

₹ 160/=